

سرسری تعارف

الحاج اعلیٰ حضرت سیدی پیر غوثی شاہ صاحبؒ

مصنف	:	حضرت سیدی پیر غوثی شاہؒ
ولادت	:	شنبہ ۱۶ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ یکم جولائی ۱۸۹۳ء ۲۴ مارچ ۱۳۰۲ء
مقام پیدائش	:	محلہ بیگم بازار حیدر آباد دکن
وفات	:	۴ شوال ۱۳۷۳ء شب یکشنبہ ۶ جون ۱۹۵۴ء
مزار	:	۶ مارچ ۱۳۶۳ء بمقام چنچل گورہ
والد ماجد	:	مسجد کریم اللہ شاہؒ واقع بیگم بازار، حیدر آباد
	:	حضرت کریم اللہ شاہؒ نقشبندی متوفی ۷ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
	:	مطابق ۱۲ مئی ۱۹۱۳ء سنہ شنبہ
اساتذہ	:	مولانا حمید اللہ و مولانا انعام اللہ
تعلیم	:	فقہ، حدیث اور تفسیر کی تحصیل فرمائی، عربی، فارسی اور اردو ادب میں مہارت حاصل تھی فن خطاطی سے واقف تھے، صاحب طرز ادیب اور بے لاگ نقاد تھے خطابت و وعظ گوئی میں مقبول عام و خاص تھے، مثنوی پڑھنے کا انداز والہانہ، دل آویز اور وجد آفریں ہوتا تھا، ابن عربیؒ اور مثنوی رومیؒ کی شرح پر عالمانہ تجر و عبور تھا، شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا، عنقوان شباب میں داغ و بلوی مرحوم کو ادبی محفلوں میں اکثر شریک رہے اپنی چند غزلیں بھی مرحوم کو سنائیں جو کلام عشقیہ کے تحت اس کتاب میں درج ہیں۔
شیخ طریقت	:	اپنے والد ماجد (الحاج حضرت سید کریم اللہ شاہؒ) سے بیعت و خلافت حاصل کی جو حضرت شاہ اشرف علی صاحبؒ حیدر آبادی کے خلیفہ تھے، نسبت اویسیہ میں حضرت شیخ اکبرؒ سے اکتساب فیض فرمایا اور بعدہ، دکن کے مشہور صوفی بزرگ حضرت سیدی کمال اللہ شاہؒ المعروف بہ مچھلی والے شاہؒ سے تمام سلاسل میں ایک ہی نشست میں بیعت اور ساتھ ہی خلافت و اجازت بھی حاصل فرمائی۔
حلقہ متبعین	:	ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ بعض ممالک اسلامیہ وغیرہ

الحاج سیدی مولانا صحوٰی شاہ صاحب سجادہ نشین سلسلہ غوثیہ کمالیہ، جنہیں بہ قیام گاہ ”بیت النور“ (سابق) الحاج حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہؒ نے اپنے وصال سے چار ماہ قبل بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۵۴ء بروز یکشنبہ شب میں خصوصی اعلان کے ذریعہ جلسہ عام میں جس میں وابستگان و معتقدین کے علاوہ علماء و معززین کی کثیر تعداد مدعو تھی۔ بہ مناسبت تقریب ابتداء میں کم و بیش پون گھنٹہ تقریر فرما کر آپ کو جانشین نامزد فرمایا۔

نبیرہ حضرت غوثی شاہؒ : حضرت سیدی پیر صحوٰی شاہؒ نے ۱۹۷۴ء میں ہی اپنے فرزند محمد افتخار ساجد المعروف غوثی شاہ صاحب کو (بحوالہ ایک خط) تمام سلاسل قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، طبقاتیہ، اکبریہ، اویسیہ میں داخل کیا (مرید کیا) اور پھر حج بیت اللہ سے آنے کے بعد ۱۹۷۵ء میں اپنے والد حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب کے تاج (کلاہ چار (۴) ترک) سر پر رکھا اور حضرت سیدی مچھلی والے شاہ صاحب قبلہؒ کی دامنہ گلی میں ڈال کر خلافت صحوٰیہ غوثیہ کمالیہ سے سرفراز کیا اور اپنے والد کی سنت کے تحت اپنے انتقال سے چار ماہ قبل بموقعہ ۹ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء اپنے مکان بیت النور (چنچل گڑھ) میں بعد اختتام جلسہ عید میلاد النبیؐ عید الاعیاد اپنے ۲۳ (چوبیس) سالہ فرزند جو مرید اور خلیفہ بھی تھے پھر ایک بار اپنے والد حضرت غوثی شاہؒ کے چوگوشی تاج کو مولانا غوثی شاہ کے سر پر رکھ کر اور حضرت مچھلی والے شاہؒ کے دامنہ مبارک کو گلے میں ڈال کر مولانا غوثی شاہ کو اپنا جانشین نامزد کیا اور آپ اپنے والد حضرت سیدی صحوٰی شاہ صاحب کی مسند رشد و ہدایت پر آج ۲۲ سال سے فائز ہیں اور سالانہ تین اعراس کے رسوم کی ادائیگی بھی بخوبی انجام دیتے آرہے ہیں اور کچھ کم ۴۱ کتابوں کے مصنف اور بہترین مقرر بھی ہیں اور آپ (مولانا غوثی شاہ) کی صورت و شبہات اپنے دادا حضرت غوثی شاہ قبلہؒ سے بہت ملتی جلتی ہے۔

وہی نقشہ ہے وہی صورت ہے ساماں ہے وہی

یہ جو صورت ہے تیری صورت جاناں ہے وہی

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

وَيُحَقِّقِ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ

اور اللہ حق کے ساتھ اپنے کلمات کو ثابت کرتا ہے۔

کنز العرفان ابوالایقان مبلغ اسلام واحسان شیخ الشیوخ مجدد العصر اللسان الحق شیخ اکبر ثانی

شیخ الہند الحاج اعلیٰ حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہ قدس اللہ سرہ کے ہدایت

آفرین مکالمات بنام

مکالماتِ غوثیؒ

کون ہے غوثی سایوں ہوں گے بہت

ہاں میں اک مرد کامل ہے یہی

اخذ و ترتیب

حق اشاعت محفوظ

(نبیرہ اعلیٰ حضرت سیدی غوثی شاہؒ)

مولانا غوثی شاہ

(خلف خلیفہ وجانشین شیخ الاسلام الحاج حضرت سیدی پیر صحوی شاہ علیہ الرحمہ)

اشاعت اول پہلی بار بمقتدہ عرس حضرت سیدی غوثی شاہ بتاریخ ۳ شوال المکرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۲۰۰۱ء

باہتمام: مولانا شاہ محمد مشتاق احمد المعروف الہما شاہ قادری الجشتی

خلیفہ حضرت شاہ سعد اللہ المعروف کمالی شاہؒ

ناشر: ادارہ النور "بیت النور" 16-3-845 چنیل گڑھ، حیدر آباد-۲۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	مکالمات غوثی
مولف	حضرت مولانا شاہ غوثی شاہ
بار اول	۴۲ ر شوال المکرم ۱۴۲۲ھ ۲۰ م دسمبر ۲۰۰۱ء
تعداد اشاعت	۱۰۰۰
نام مطبع	اسماء پرنٹ، روشن مسجد روڈ، شریف کالونی، کراڑ پورہ، اورنگ آباد، فون (0240)312075
کمپیوٹر کمپوزنگ	ایشین کمپیوٹرس (ساجد کاتب) جونا بازار، اورنگ آباد، فون 363765
کمپیوٹر کمپوزیٹر	ساجد نقوی، شکیل الرحمن، نصیر احمد خان
ہدیہ	

بہ تعاون خیر

مولانا شاہ محمد مشتاق احمد المعروف النماشاہ قادری الجشتی اورنگ آباد

خلیفہ حضرت شاہ سعد اللہ المعروف کمالی شاہ

ناشر ادارہ النور

بیت النور 845-3-16 چنیل گڑھ، حیدر آباد-24

مولانا صفی الدین صدیقی :

مولانا صفی الدین صدیقی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ ایک جید عالم دین اور صاحب تقویٰ اور صاحب ورع بھی تھے۔ ان سے ایک موقع پر توحید افعالی سے متعلق گفتگو ہوئی جس کے مولانا نے موصوف عالم ہی نہیں بلکہ سالک بھی تھے۔ حضرت قبلہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سلوک مقیدہ نقشبندیہ میں لطیفہ قلبی اور مراقبہ قلبی میں ہر سالک کو از روئے ارشاد شیخ طریقت ہر فعل کو فعل حق سمجھ کر مراقب و مشاہد رہنے سے توحید فعلی پیش نظر ہو جاتی ہے اور اس طرح شرک فعلی کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا تو آپ سے اس شبہ کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ افعال خیر میں تو ایک حد تک مرضی الہیہ کے تحت افعال خیر کا صدور جائز ہو سکتا ہے اور اس کو فعل حق بھی کہہ سکتے ہیں لیکن افعال شر جو تحت مشیت الہی واقع ہوتے ہیں۔ مگر تحت مرضی الہیہ نہیں ہوتے۔ انکو فعل اللہ سمجھ کر مشاہد و مراقب رہنا کسی حد تک صحیح ہو سکتا ہے۔

اس سوال پر مولانا نے موصوف خاموش باساکت رہے۔ انہوں نے صرف یہ کہہ کر اعتراف فرمایا کہ سلوک مقیدہ تصورات کے ذریعہ طے ہوتا ہے لیکن اس میں کشف تو ہوتا ہے لیکن مقامات کا صحیح امتیاز و معیار ہاتھ نہیں آتا لیکن سلوک مطلق علم صحیح اور ارشاد شیخ کامل سے جو حق رس و حق آگاہ ہو طے ہو سکتا ہے اور اس طرح ہر مقام کا صحیح حال اور اس کا امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ فقیر یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے شیخ سے یہ امتیاز و معیار حاصل ہوا یا کیا؟ اس خصوص میں فقیر یہ کہتا ہے کہ اگر بعض قرآنی لاقوۃ الا باللہ کے ارشاد کو پیش نظر رکھا جائے تو حقیقت میں ہر فعل، فعل حق نظر آئے گا کیونکہ قوت یا قدرت کے بغیر کوئی حرکت یا فعل سرزد ہی نہیں ہو سکتا لہذا خلق فعل یعنی قوت کا پیدا کرنا (جس کو حرکت کہتے ہیں) اس کو فعل حق کہئے اور اس حرکت سے متحرک کا حرکت کا اکتساب کرنا کسب فعل کہلائے گا۔ بس خلق فعل کی نسبت حق کی طرف ہوگی اور کسب فعل کی نسبت مخلوق کی ذاتی قابلیت (خیر و شر) کی جانب ہوگی اور فعل مخلوق کہلائے گا جس پر جزا و سزا کا حکم صادر ہوگا۔ پس

فعل کی حقیقت حرکت کہلائے گی اور اس حرکت کی دو نسبتیں ہوں گی۔ (۱) خلق فعل، (۲) کسب فعل، خلق فعل کو فعل حق سے موسوم کریں گے اور کسب فعل کو فعل خلق کہیں گے اور اسی کسب کو جو حقیقت اقتضائے خلق کہلاتا ہے۔ بلا قوت حق کے نمود نہیں ہو سکتی۔ لہذا بندہ قوت نہ رکھنے کے لحاظ سے مجبور کہلائے گا لیکن جب حق تعالیٰ کی طرف سے قدرت کا ظہور ہوگا تو اس میں حرکت و قوت کی صلاحیت پیدا ہوگی اب اس صلاحیت کو اگر امتثال امر الہیہ کے تحت استعمال کیا تو یہ فعل خیر پر مبنی ہوگا اور اس کو اپنے ہوائے نفسی یا اپنے منشاء ذاتی کے تحت برتا تو فعل شر کا اس سے صدور ہوگا۔ خیر کے عمل پر جزا ملے گی اور شر پر سزا کا مستحق ہوگا، لہذا قوت (قدرت) بذاتہ صرف ذات الہیہ کی ہے اور اس لئے لا قوۃ الا باللہ کی آیت کلام پاک میں آئی ہے۔ اس قوت کے ظہور کو حرکت (جو فعل کی حقیقت کہلاتی ہے) کہیں گے۔ اسی کو فعل حق سے تعبیر کیجئے اس کی دو نسبتیں ہیں جو خلق فعل و کسب فعل کہلاتی ہیں۔ اسی اعتبار سے کسب کا فعل ظاہر ہوگا اور اسی لئے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ کا امر ناطق ہے اور فعل حق، بالکل فعل خلق سے منزہ ہو کر اپنی شان تنزیہ کو برقرار رکھے گا اور سزا و جزا کی نسبت مخلوق یا بندہ کی طرف سے منسوب ہوگی اور حق تعالیٰ اَن كَمَلَاَنَ ہی ہیں۔ سبحان اللہ عما یصفون مندرج بالا وضاحت کو سن کر مولانا نے موصوف مطمئن ہو کر گاہے ماہے برابر خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے۔

مولانا ابوالفداء صاحب اور مسئلہ وحدۃ الوجود :

ایک بار کا واقعہ یوں ہے کہ ملا فتح اللہ صاحب سرکردہ بواہیر سلیمانی کے جماعت خانہ میں ایک تقریب میں حضرت قبلہ کو مدعو کیا گیا کیونکہ ملا صاحب موصوف حضرت قبلہ سے خصوصی عقیدت و محبت فرماتے تھے۔ فرقہ بواہیر کی تقاریب ان کے اپنے اپنے جماعت خانوں میں اجتماعی شکل میں ہوا کرتی ہیں وہ اس طرح کے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر جماعت خانہ کے ہال میں اسٹینڈ پر تھال رکھ دیئے جاتے ہیں اور ہر تھال (طباق) کے اطراف چھ یا سات دعوتی

اشخاص باہم ایک ہی طباق میں کھاتے ہیں۔ چنانچہ جس تھال پر حضرت قبلہ تشریف فرما تھے اسی پر حکیم مقصود علی خان (جو بعد میں نواب مقصود جنگ کے لقب سے مشہور ہوئے) مولوی سید محمد بادشاہ حسینی غلام محمد صاحب کشمیری امام مسجد عثمانیہ سلطان بازار جس کو فی زمانہ مسجد سلیم خاتون کہتے ہیں) مولانا ابوالفداء صاحب مدرس، مدرسہ دینیات مسجد عامرہ عابد شاہ (خلیفہ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی) اور دیگر علماء جن کے نام فی الحال یاد نہیں یہ سب لوگ ایک تھال پر بیٹھے ہوئے ایک ساتھ تناول طعام فرما رہے تھے چنانچہ کھاتے ہوئے مولانا ابوالفداء صاحب (مرحوم) نے بطور چشمک حضرت قبلہ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کا جناب شاہ صاحب آپ گوشت کھا کر ہڈیاں علیحدہ کیوں پھینک رہے ہیں جبکہ آپ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں تو یہی سمجھ لیجئے کہ گوشت ہڈی سب ایک ہی ہیں۔ اس کو سن کر حضرت قبلہ نے فی البدیہہ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہڈیاں آپ کے لئے پھینک دی ہیں۔ اس پر مولانا موصوف ذرا برہم ہو کر فرمانے لگے اگر آپ وحدۃ الوجود کے بڑے علمبردار ہیں تو قرآن سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا ثابت فرمائیے۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ قرآن کی ہر آیت سے وحدۃ الوجود کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آیات کا غلط ترجمہ کیا جاتا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ جیسے علماء کو بھلا قرآنی آیات کا ترجمہ کیا آئے گا۔ اگر کسی آیت کو پیش کیا جائے تو اس کا صحیح ترجمہ پیش کرنے سے آپ جیسے علماء قاصر ہیں اس پر مولانا نے موصوف اور بھی برہم ہوئے اور تمسخر کے طور پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اچھا آپ ہی فرمائیے کہ کون سی آیت قرآنی کا ترجمہ آپ کو مطلوب ہے تو حضرت مرشدی نے آیت ذیل پیش فرمائی۔

سَنِدْرِيهِمْ اٰیْتِنَا فِی الْاَفَاقِ وَفِی اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَيَّنَ لَہُمْ اِنَّہُ الْحَقُّ

اور فرمایا براہ کرم اس کا ترجمہ فرمائیے۔ چنانچہ مولانا نے باین الفاظ ترجمہ فرمایا ”ہم جلد اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی ذاتوں میں دکھلائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل

جائے گا کہ وہی قرآن حق ہے“ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ سیاق و سباق کی عبارت اعتبار سے قرآن کا حق ہے کا ترجمہ آیت مذکور میں کہیں نہیں آیا ہے۔ یہ تو آپ نے تاویل کی ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ پھر تو کوئی تفسیر دیکھنی پڑے گی۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اب آپ اعتراف کر لیجئے کہ ہم (علماء) کو ترجمہ کرنا نہیں آتا بلکہ ترجمہ کرنے میں ہم بھی تفسیر کے محتاج رہتے ہیں۔ اس پر انہوں نے حضرت قبلہ سے اس کا ترجمہ پوچھا۔ حضرت قبلہ نے تحت اللفظ بلا تاویل کے ترجمہ فرماتے ہوئے ”حتی یتبین لهم انه الحق“ کا ترجمہ یوں فرمایا کہ ”یہاں تک کہ ان پر صاف کھل جائے گا کہ آفاق و انفس میں سوائے حق کے کسی اور کا جلوہ نہیں ہے۔“

اس پر مولانا نے موصوف بہت برہم ہوئے اور کہا کہ مفسرین نے تو اس کا اس طرح سے تفسیر و ترجمہ نہیں کیا ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ہر تفسیر میں بھی اسی کے مطابق ترجمہ انشاء اللہ پایا جائے گا۔ وہ ہنسنے لگے تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ مولانا آپ ہنسے مت آپ کو تو رونا پڑے گا۔ اسی کے ساتھ حضرت قبلہ نے سب ساتھیوں اور دیگر حضرات کو مخاطب فرما کر پکارا کہ آپ سب حضرات کھانا کھانے کے بعد اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ رہیں اور جو مباحثہ زیر بحث ہے اس کو سماعت فرمائیں۔

آخر کار حضرت قبلہ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ میں سے جو حضرات بھی تفسیر لانا چاہیں لاسکتے ہیں۔ اس سے میں نے جو ترجمہ کیا ہے اس کا مفہوم ہی مترشح ہوگا۔ چنانچہ ملائح اللہ صاحب کے کتب خانے سے ”تفسیر معالم التنزیل“ لائی گئی اور اسے ایک صاحب نے اسی آیت کے ترجمہ و تفسیر کی۔ ضمن میں پڑھنا شروع کیا لیکن جہاں ”انه الحق“ کا ترجمہ کیا جاتا تو اس میں وہی قرآن حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ ہے قیامت حق ہے، عذاب قبر حق ہے۔ خیر و شر حق ہے کو تو پڑھ دیتے اور وہی حق، حق ہے، کے فقرہ کو نہ پڑھ کر گریز کر جاتے اور اس کو نہ پڑھتے۔ اسی طرح کئی لوگوں نے آخری فقرہ کو نہ پڑھا تو حضرت قبلہ نے

فرمایا کہ حضرات آپ یہودیت کا مسلک چھوڑ کر اسلامی مسلک کیوں نہیں اپناتے اور صحیح عبارت کیوں نہیں پڑھتے۔ اس پر مولانا حیرت کشمیری نے جو اس صحبت میں موجود تھے۔ انہوں نے بھی تفسیر مذکور کو لے کر پڑھا اور انہوں نے بلا کسی معنی کے ترکے ہوئے آخر تک عبارت پڑھ ڈالی۔ یعنی ”انہ الحق“ کا ترجمہ وہی (اللہ) حق ہے کا جملہ پڑھ ڈالا آخر میں حضرت قبلہ نے ان سبھوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے یہودیت کے طریقے کو برتنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور صحیح عبارت نہ پڑھ کر ایک طرح سے تحریف و تبدیل کا ارتکاب کیا ہے جو ایمانی نقطہ نظر سے یہ بہت بڑا گناہ ہے اور مغائر دین متین ہے۔

لہذا آخر کار آپ جیسے تمام علماء کو اعتراف کر لینا چاہئے کہ آپ لوگ نہ تو قرآن کا صحیح ترجمہ ہی کر سکتے ہیں اور نہ تفسیر ہی صحیح بیان کر سکتے ہیں اور تفاسیر کو اپنی مرضی پر ڈھال لیتے ہیں اب رہ گیا مسئلہ وحدۃ الوجود تو اس کو نہ صرف مندرجہ بالا آیت سے ہی ثابت کر سکتا ہوں بلکہ فی البدیہہ جو آیت پڑھی جائے یا آیت پیش کی جائے اسی سے یہ فقیر اس مسئلہ کا استخراج و ثبوت پیش کر سکتا ہے اس پر ایک صاحب فرمانے لگے کہ پھر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس غوثی شاہ صاحب ہی ہیں اور کوئی ان کا مد مقابل ہے ہی نہیں۔ اس پر فوراً نواب مقصود جنگ بول اٹھے کہ بھلا اس میں کسی کو شک ہی کیا ہو سکتا ہے اس واقعہ سے تمام علماء و مشائخین اور اہل علم حضرات جو اس صحبت میں موجود تھے۔ حضرت قبلہ کی شخصیت اور علیت کا لوہا مان لیا اور جن جن لوگوں سے ان حضرات کی گفتگو ہوئی وہ بھی معترف ہو گئے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود اور تو حید حقیقی کا اگر کوئی جامعیت کے ساتھ بیان کرنے والا فی زمانہ موجود ہے تو وہ حضرت غوثی شاہ صاحب کی ذات والاصفات ہے۔

نواب مقصود جنگ بہادر :

خود ایک عالم تھے وہ جب کبھی حضور کے پاس تشریف لاتے تو ہمہ تن گوش رہ کر خاموشی سے ہر ارشاد کو سنتے اور کبھی کبھی ہفتہ واری اجتماع جس میں حلقہ ذکر و سماع بھی ہوا کرتا

تھا حاضر ہوتے۔ ان ہفتہ واری اجتماع میں دوسرے وابستگان سلسلہ کو حضرت قبلہ تربیتا تقاریر کرواتے تاکہ وہ تیار ہو کر اچھے مقرر بن جائیں چنانچہ مولانا غلام دستگیر رشید صاحب، مولانا نوری شاہ صاحب، شاہ محمد خان صاحب مرحوم، مولانا ناصر علی شہا صاحب پروفیسر معاشیات، مولوی سید ضمیر احمد شاہ صاحب، حضرت سعد اللہ شاہ صاحب مرحوم، حضرت شاہ محمد عبدالرشید صاحب غوثی، حضرت سجادہ نشین مولانا محوی شاہ صاحب قبلہ مرحوم اور دیگر حضرات وغیرہ کو بھی تقاریر کرنے کا حکم فرماتے اور اگر نواب مقصود جنگ بھی موجود ہوتے تو ان سے تقریر کرنے کے لئے فرماتے تو وہ جواباً عرض کرتے کہ میں سننے کے لئے حاضر ہوا ہوں مگر بولنے کیلئے نہیں آیا۔

تقاریر کے بعد حضور ان تقاریر پر تبصرہ تقریر فرماتے اور بعد تقاریر بارگاہ رسالت میں استادہ ہو کر سلام پیش کیا جاتا۔ پھر اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوتی۔ نواب مقصود جنگ کی موجودگی میں ان سے فرماتے کہ آپ جیسے علماء دین سماع کو حرام قرار دیتے ہیں تو وہ جواباً کہتے، اگر سچ پوچھتے ہیں تو سماع بجز غوثی شاہ صاحب کے دوسری جگہ سننا حرام ہے (واضح باد کہ نواب صاحب موصوف کہیں ہو سماع کبھی نہیں سنتے تھے)

مسئلہ مثل نبی اور قادیانی مبلغین :

میسور اور بنگلور کے دورے کے زمانے میں قادیانیوں کے چند مبلغین خدمت میں حاضر ہوئے اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مثل نبی اور بروز کا مصداق بتاتے ہوئے حجت پیش کی اور دلیل میں حسب ذیل حدیث پڑھ دی

الْعُلَمَاءُ أُمِّي كَا نَبِيَاءِ إِسْرَائِيلَ چنانچہ آپ نے اس کا اس طرح رد کیا کہ اگر امت محمدی کے علماء بنی اسرائیل کے مانند اور مثل ہیں تو میں بھی مثل بنی ہوں لہذا مجھ پر ایمان لاؤ۔ اگر بروز کا دعویٰ ہے تو میں بھی بروز کا حاصل ہوں، میری تصدیق کرو، وہ اس جواب کو سن کر بیحد خفیف و لا جواب ہو گئے۔

گیارہویں شریف اور ایک وہابی یا غیر مقلد سے مکالمہ : اسی طرح ایک وہابی

(غیر مقلد) شخص نے آپ سے بنگلور کے دورے کے وقت سوال کیا کہ آپ بارہا اپنی تقاریر میں اس کا اظہار فرما چکے ہیں کہ ہر مسئلہ کو کتاب و سنت سے مستنبط کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ذرا گیارہویں شریف کو تو قرآن سے ثابت کیجئے جس کا نہ تو قرآن میں لفظاً تذکرہ ہے نہ حدیث میں۔ بلکہ قرآن میں تو اس کا نام و نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس اس صورت میں یہ فعل حرام ”بدعت سیئہ“ ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر گیارہویں کا لفظی ثبوت چاہتے ہو تو سورہ یوسف میں ”أَحَدَ عَشْرًا“ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی گیارہ کے ہیں چنانچہ اَحَدَ عَشْرَةَ کا لفظ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں استعمال فرمایا ہے لہذا لفظی طور پر گیارہ سے گیارہویں کا استخراج کیا گیا ہے۔ اب یہ سوال باقی رہے گا کہ اس کا حدیث سے کیا ثبوت مل سکتا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کا جواز احادیث نبویؐ سے ثابت ہے اور خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ امر ثابت ہے چنانچہ حضرت سیدنا غوث الاعظم دکنگیر کے ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تو اس کو قوم مروجہ اصطلاح میں گیارہویں شریف کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس طرح ایصالِ ثواب کا جواز قرآن حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور جس کی اصل کتاب و سنت میں پائی جاتی ہے وہ بدعت سیئہ ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ بدتِ حسنہ ہوگی جو کہ سنت ہی کہلائے گی اور سنت کی پابندی میں محبوبیت کا درجہ ملتا ہے اور اس کو بدعت سیئہ کہنے والا جس بدعت کا مرتکب ہوتا ہے اس کو منع کرنے والا ”مَنَاعُ لِلْخَيْرِ“ کا مصداق بنتا ہے۔ جو قطعاً حرام و ناجائز ہے۔ اس بیان کو سن کر وہ بہت خفیف ہوا، اور خود تائب ہو کر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت بھی کی۔

کلمہ طیبہ پر ایک آریہ سماج منتری سے بحث

ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت قبلہ بنگلور کے تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں تشریف فرما تھے، ایک آریہ سماجی منتری (مبلغ) ملنے آیا سلسلہ کلام میں اس نے اعتراض کیا کہ اسلام کا دعوتی کلمہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ ہے اس کا تو قرآن کی کسی آیت میں ایسا لکھا ہونا نہیں پایا جاتا۔ پھر مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ ان کی ہر دینی بات قرآن سے ثابت کی جاتی ہے لہذا قرآن میں کلمہ طیبہ اپنی اصلی بنیت میں نہیں آیا ہے تو آپ لوگوں کا بنیادی طور پر دعوت اسلامی میں اس کلمہ کو پیش فرمانا کتاب آسمانی کے مطابق نہیں پایا جاتا اور اس طرح آپ کے دین کی اساس ہی کھوکھلی ہو جاتی ہے۔

حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ نے جن دو حیثیتوں سے اعتراض کیا ان دونوں حیثیتوں سے قرآن ہی سے اس کا ثبوت ملتا ہے قرآن میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا جملہ (پارہ ۱۲ سورہ ابراہیم) میں غَا عَلِمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے الفاظ میں وارد ہوا ہے اور چونکہ یہ کلمہ بذریعہ ذات رسالت مآب جن کا نام نامی اسم گرامی محمد الرسول اللہ کے نام سے موسوم ہے لہذا اس کے پیش کرنے والے کے نام کو مع لقب کے ماننا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر ایمان کا حصول اور اس کی تصدیق ہونا ناممکن ہوگا اب رہ گئی یہ بات کہ دونوں اجزائے کلمہ طیبہ کا ایک ہو جانے کا اعتبار تو وہ اس مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہو جاتا ہے

وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ط فَإِنَّا لَآلِ الْكَافِرِينَ سَعِيرًا

(ترجمہ: اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول (محمد) پر ایمان نہیں لاتا بس ایسے کافروں کے لئے عذاب سعیر تیار ہے۔ آیت مذکورہ میں رسول کا مصداق خود محمد رسول اللہ کی ذات مبارک ہے علاوہ ازیں جس طرح کلمہ طیبہ کا جز و اول لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قرآن پاک میں آیا اس کا دوسرا جز محمد الرسول اللہ بھی قرآن پاک میں حسب ذیل آیت میں بحثہ آیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ پس کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء کا لفظی ثبوت بھی قرآن میں علیحدہ علیحدہ قرآن سے ثابت ہے اور جامع طور پر دوسری آیت مذکورہ بالا

وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ الخ

سے ثابت ہے چنانچہ جب اس نے یہ بیان سنا تو بہت متحیر ہو کر کہنے لگا میں نے اس خصوص میں بڑے علمائے اسلام کے سامنے اس سوال کو پیش کیا لیکن انہوں نے مجھے کوئی معقول جواب دے کر مطمئن نہیں کیا اور میرے اعتراض کو رفع کرنے سے قاصر رہے اس لئے میں نے عزم کر لیا تھا کہ اس عنوان پر ایک کتاب ہی لکھ کر شائع کروں اور اس طرح اسلام کے بنیادی اصول پر کاری ضرب لگاؤں لیکن آپ کا میں مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اس زحمت و نقصان سے نجات دلا دی اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ تم دنیا کے عارضی نقصان کا کیا ذکر کرتے ہو تمہیں تو ابدی نقصان اور زحمت سے نجات حاصل کرنی چاہئے جس کا مرنے کے بعد ابد الابد تک تعلق رہے گا اور بجائے اس کے اسلام پر ضرب کاری لگائیں اپنے نفس پر ضرب کاری کیوں نہیں لگاتے تاکہ ابدی آرام و خیران سے نجات و چھٹکارا پائیں اور ابدی راحت و عیش کے مقام میں جس کو جنت کہتے ہیں داخل ہو جاؤ۔ اُس پر اس نے پھر کسی دوسرے موقعہ پر ملنے کا وعدہ کیا لیکن پھر پلٹ کر واپس نہیں آیا۔

مذہب کی ضرورت اور ایک انسپکٹر کسٹم :

ایک مرتبہ بلہاری کے دورہ پر حضرت قبلہ بنگلور ایکسپریس کے سکند کلاس میں سفر فرما رہے تھے اتفاق سے اسی کپارٹمنٹ میں ایک صاحب جو اس دور حکومت میں امین کروڑ گیری Custom Inspector تھے آپ کے ساتھ ہی ریل میں سوار ہوئے چونکہ وہ سوٹ میں ملبوس تھے لہذا نہایت متمدانہ انداز میں حضرت قبلہ کی طرف سے اس طرح منہ پھرا کر بیٹھے ہوئے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ مذہبی آدمیوں سے وہ سخت متنفر ہیں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی، آخر ش حضرت قبلہ نے مہر سکوت توڑ کر فرمایا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے تو صاحب اسی متمدانہ انداز میں سوکھا جواب دیا کہ مجھ کو ”آغا“ کہتے ہیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ الحمد للہ آپ مسلمان ہیں۔ اس پر صاحب موصوف برہم ہو کر فرمانے لگے کہ میں مذہب کی تفریق عبث اور فضول سمجھتا ہوں کیونکہ مذہب مانع ترقی ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا

کہ آخر وہ کس طرح؟ تو انہوں نے کہا مذہب کی پابندی اور قیود ہم کو دنیاوی ترقی اور بہبود سے محروم کر دیتے ہیں اور مذہب کی قید و بند سے آزاد رہ کر ہم من مانے طور پر ترقی کے مدارج طے کر سکتے ہیں یا نہیں تو جدوجہد کر کے ہر طریقہ سے دنیوی ترقی کے وسائل و ذرائع پیدا کر سکتے ہیں اس پر حضرت نے فرمایا کہ بھلا یہ تو بتلائیے آپ کس محکمہ میں اور کس گورنمنٹ میں کس عہدہ پر مامور اور کار گزار ہیں تو انہوں نے کہا سر رشتہ کروڑ گیری کے عہدہ پر مامور و کار گزار ہوں اور خاص شہر حیدر آباد میرا مستقر ہے۔

فی الحال دورہ پر جا رہا ہوں اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ شہنشاہ جارج پنجم (جو اس زمانہ میں بقیہ حیات تھے) قیصر ہند ہیں اور حضور نظام میر عثمان علی خان والی مملکت نظام حیدر آباد اور سریمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر (جو اس وقت ریاست حیدر آباد کے وزیر اعظم تھے) نیز مسٹر بھر وچہ جو اس وقت ناظم کروڑ گیری سے تو بخوبی واقف ہوں گے۔ تو انہوں نے کہا بھلا ان سے واقف کیوں نہ ہوں گا۔ یہ سب تو موجودہ دورہ حکومت کے زبردست مہرے ہیں پھر حضرت قبلہ نے مزید سوال کیا کہ آپ غالباً اس سے بخوبی واقف ہوں گے کہ شہنشاہ جارج پنجم عیسائی مذہب کے اور حضور نظام مذہب اسلام کے اور مہاراجہ کشن پرشاد ہندو مذہب کے اور مسٹر بھر وچہ پارسی مذہب کے ماننے والے ہیں۔ پس اگر مذہب مانع ترقی ہوتا تو یہ لوگ ان عہدوں کے اہل ہی نہیں ہو سکتے تھے لیکن معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ ان حضرات کی ترقی و مدارج میں کوئی مذہب مانع نہیں ہوا ہے۔

اگر بغرض محال آپ کے بیان کردہ نظریہ کو مان بھی لیا جائے اور مذہب کو مانع ترقی مان کر ترک کر دیا جائے تو سب سے پہلے تو آپ کو کچھ نہیں تو شہنشاہ جارج پنجم کے مساوی درجہ پر ترقی ہونی چاہئے تھی۔ اگر ایسا ناممکن ہے تو کم از کم حضور نظام کے مساوی مرتبہ پر ترقی کرنی چاہئے تھے۔ یہ بھی اگر محال ہے تو مہاراجہ کشن پرشاد کے جیسے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونا تو مشکل نہیں تھا اور آخر درجہ میں کم از کم ناظم کروڑ گیری کے گز ٹیڈ عہدہ پر پہنچ جانا چاہئے تھا مگر افسوس صد

افسوس کے آپ مذہب سے رد گردانی کر کے اپنے عہدہ اور مقام سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکے اور خسّر الدنیا والآخرۃ کے مستوجب ہو گئے۔ یہ سن کر امین صاحب موصوف سیدھے ہو کر باادب ہو کر بیٹھ گئے اور بے حد خفیف اور متاثر ہو کر انہوں نے کسی آئندہ موقع پر بلکہ میں حاضر ہونے کا وعدہ فرمایا کیونکہ اگلے اسٹیشن پر انھیں اترنا تھا۔

مسئلہ سماع اور مولانا احمد شیر خان صاحب

پیش امام مسجد نلگنڈہ :

بزمانہ دورہ تبلیغی نلگنڈہ وہاں کی جامع مسجد کے پیش امام مولانا احمد شیر خان صاحب جو فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند اور مولانا مہر علی شاہ صاحب کے خلیفہ مجاز بھی تھے انہوں نے سماع کی نسبت اعتراض کرتے ہوئے پوچھا کہ بھلا سماع کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ حضرت قبلہ نے کتاب وسنت کے حوالے کے بجائے فی البدیہہ معقولی طور پر ارشاد فرمایا کہ جی ہاں جناب والا سماع حرامی کے لئے حرام ہے لیکن حلالی کے لئے حلال ہے۔ اس پر مولوی صاحب موصوف کسی قدر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ حضرت قبلہ مولانا موصوف کے تیور تاڑ گئے اور فرمایا کہ آپ میرے اس قول کے کوئی دوسرے معنی پر محمول نہ کریں بلکہ ایسا کہنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جو اس سماع کو حرام و بدعت سمجھتا ہے اس کے لئے بیشک حرام ہے اور جو حلال اور مباح سمجھتا ہے اس کے لئے حلال بھی ہے۔

احادیث نبوی سے بھی یہی ثابت ہے جس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ورود کے موقع پر کنواری لڑکیوں سے دف پر نعت ومنقبت سماعت فرمائی۔ کلعت بدر علینا من.... اسی طرح ایک عالم متبع سنت نبوی کو بھی کنواری لڑکیوں سے نعت ومنقبت سننی چاہئے اگر کوئی اہل سنت اس خصوص میں ایسا عمل نہیں کرتا تو گویا وہ اس سنت سے گریز کرتا ہے۔ اب ترک سنت اور خلاف سنت عمل کرنے کا فیصلہ اہل علم اور دیندار حضرت ہی خود فرما سکتے ہیں لہذا اگر صوفیاء اکرام سماع سنتے ہیں تو اس میں سنت کی اتباع مقصود ہے اور ان کا یہ فعل جواز کی

حیثیت رکھتا ہے اب رہ گیا سماع کے حرام اور ناجائز کس محل پر اور کس لئے کیا گیا ہے تو یہ مقولہ پیش نظر رکھنا چاہئے (جو حضرت امام غزالیؒ کا قول ہے) السماع حلال لا ہلہ یعنی سماع اس کی اہلیت رکھنے والے کیلئے حلال ہے اگر سماع میں عشق محبت خدا یا معارف و توحید الہیہ کے مضامین گائے جائیں تو یہ بھلا کیونکر ناجائز ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ قول کہ ”تم اہل سماع پر اعتراض مت کرو بلکہ اس سے احتراز کرو، کیونکہ یا تو وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں یا کسی علمی اجتہاد کی بناء پر اس پر عمل کرتے ہیں۔“ اب رہ گئی یہ بحث کے سماع مزامیر کے ساتھ سننا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب جہاد میں نقارہ کا بجایا جانا جائز ہے بلکہ جہاد کے دوران میں نقارہ کی آواز جس قدر زور کی ہوگی اور جتنی دور تک پہنچ سکے اتنی دور تک شیطان بھاگ جاتا ہے تو سماع میں طبلہ یا دف جو نقارہ کی مانند ایک رخی باجہ ہوتا ہے اس کی آواز سے کیونکر شیطان راہ فرار اختیار نہ کرے گا۔ مزامیر میں ستار، سارنگی، قانونچہ وغیرہ جو تار والے باجے ہیں وہ حرام ہیں۔ طبلہ، دف، نفیری سرود، ہارمونیم، مباح اور جائز ہیں۔

علاوہ ازیں جب کسی شادی یا خوشی کے موقع پر گانا بجانا جائز ہے جیسا کہ احادیث سے ثبوت ملتا ہے تو سب سے بڑی خوشی حاصل حق کی صوفی کو ہوا کرتی ہے جس کے لئے گانا بجانا مزید جائز ہو سکتا ہے۔ قبل ظہور اسلام گانا بجانا مزامیر کے ساتھ بطور لہو و لعب اور تعیش کے نقطہ نظر سے ہوا کرتا تھا جس کو ایام جاہلیت میں حظ نفس کے لئے سنا کرتے تھے لہذا ایام جاہلیت کی جہاں اور چیزیں ناجائز و حرام قرار دی گئیں ہیں وہاں فقہاء نے گانے بجانے کو ممنوع قرار دیا ہے محض اس خیال کو پیش نظر رکھ کر کہ کہیں لوگ اس میں پڑھ کر دین کی طرف سے غفلت و لاپرواہی نہ کرنے لگیں لہذا یہ تقاضائے احتیاط آئمہ مجتہدین نے ایسے سماع کو ناجائز ٹھہرایا لیکن اس کا اطلاق صرف عوام پر ہوتا ہے نہ کہ اکابر اولیاء اور مشائخ عظام پر۔ چنانچہ بعض اہل اللہ اور بزرگان دین نے سماع کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار میں یوں اظہار فرمایا ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ

شزداکہ شور طرب دوسرا ہست اگر آدمی را بناشد خراست حضرت جامی
 منع سماع و نغمہ و نے میکند فقیہ بیچارہ پے نبرد یہ سرتخت و فیہ
 حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ جب منظر اب پر ہاتھ پڑتا ہے تو مجھے بہشت کے
 دروازوں کے کھلنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں

چیت میدانی صدائے جنگ عود انت ربی انت حبیبی یادود
 ایک دوسرے بزرگ رباعی کی شکل میں ارشاد فرماتے ہیں

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست از کجا می آید ایں آواز دوست
 نے ز تارو نے ز چوب نے ز پوست خود بخود می آید ایں آواز دوست

بہر حال یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آلات مزامیر مقصود نہیں ہیں۔ صرف مضامین و کلام
 مقصود ہے جس سے قلب و روح میں حب و عشق خدا و رسول کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ نے اپنے ایک مرید سے جو حج و زیارت حرمین و
 شرفین کے ارادہ سے سفر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا فرمایا کہ جب تم دربار رسالت میں حاضر ہونا تو
 میرا سلام عرض کرنا۔ چنانچہ جب وہ مرید حج کے بعد مدینہ طیبہ روضہ اقدسؐ پر حاضر ہوا تو اپنے
 شیخ کی جانب سے سلام پیش کر دیا جس کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم واقعہ میں ان الفاظ
 میں جواب عطا فرمایا

”اجی میری طرف سے اپنی بدعتی پیر کو سلام کہنا“

چنانچہ جب وہ مرید بعد فراغت حج و زیارت حرمین و شرفین حضرت عبدالقدوس
 گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مندرجہ بالا الفاظ کو بکھنس دھرا دیا اس کے سنتے ہی حضرت

گنگوہیؒ پر رقت طاری ہو گئی اور زبان بے اختیار حسب ذیل شعر جاری ہوا، اور ایک کیف طاری رہا۔

بدم گفتی و خورسندم عفاک گنگوگفتی جواب تلخ می زبید لب لعل شکر خارا
اس واقعہ سے یہ سبق اخذ ہوتا ہے کہ بدعتی کا فعل و عمل بھی غلبہ عشق و محبت میں اللہ و رسول کے پاس مقبول و محمود ہوتا ہے۔

اہل اللہ اور محققین کے پاس حسب ذیل شرائط کے ساتھ سماع کو مشروط رکھا ہے
شیخ سماع^۱۔ زمان^۲۔ مکان^۳۔ اخوان^۴

(۱) شیخ سماع :

اس پایہ کا ہونا جو مجاز بیعت و خلافت ہو اور اپنی ہمت وہ توجہ سے محفل کو قابو میں رکھے۔

(۲) زمان :

کی شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا وقت نہ ہو جس میں غلبہ حال کے باعث نماز قضاء یا فوت ہو جانے کا احتمال و اندیشہ ہو۔

(۳) مکان :

مقام ایسا ہو کہ جہاں عامۃ الناس کی آمد و رفت نہ ہو سکے کیونکہ عوام کا الانام کے مصداق ہیں۔ ممکن ہے کہ جہل و نادانی سے کسی اہل سماع کے وجد و حال کو دیکھ کر اس پر چشمک یا استہزاء نہ کر بیٹھیں اور اس طرح ارتکاب معصیت ہو کر رجعت کا ہدف نہ بن جائیں۔

(۴) اخوان :

سب لوگ کم از کم مسلک طریقت میں ایک ہی رنگ کے ہونے چاہئیں جو آپس میں کسی قسم کا اختلاف یا اجتناب نہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا تقریر بعنوان سماع سن کر مولانا احمد شیر خان صاحب نے سکوت اختیار فرمایا اور ان کو مزید اعتراض و استفسار کی ضرورت لاحق نہ ہوئی اور کبھی کبھی حضرت قبلہ کی خدمت میں

نہایت ادب و احترام و خلوص کے ساتھ حاضر ہوتے۔

اصطلاحات تصوف اور مولانا صبغت اللہ صاحب بختیاری :

مولانا بختیاری صاحب شیخ الانیسر مدرسہ العربیہ عمر آباد (مدراں) (مشہور کارکن جماعت اسلامی مدراس) بھی ایک بار حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصطلاحات تصوف کی نسبت اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرات صوفیاء کرام نے تصوف کے اصطلاحات کی ایک بدعت گڑھ لی ہے۔ اگر یہ بدعت نہیں ہے تو آپ ہی کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا جواز ثابت فرمائیے۔

چنانچہ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ اصطلاحات تصوف کو بدعت ٹھہرانا تو ایک طرف رہا، ذرا دین کی اساس یعنی کلمہ طیبہ کے نفی اور اثبات کی نسبت تصفیہ کر لینا چاہئے کہ آیا یہ بھی صحیح ہے یا نہیں۔ پھر اس کے بعد کلمہ شہادت کی اصطلاح گلے پڑتی ہے یعنی اول کلمہ طیبہ، دوم کلمہ شہادت وغیرہ کی اصطلاح ان کا ارتقاء کیونکر ہو سکتا ہے۔ پھر نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ سے قبل اِنِّی وَجْهٌ لِّلَّذِی فُطِرَتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنِ کہتے ہوئے اسی آیت میں ’وجہ‘ کی ایک اصطلاح آئی ہے اس کا مصداق کیا ہے اور تا وقتیکہ اس کو نہ جانیں کہ کس کی طرف رخ یا چہرہ کیا جا رہا ہے۔ ہمارا اس طرح متوجہ ہونا فعل عبث ہوگا اور پھر نماز کی ابتداء کا جب یہ حال ہے تو پوری نماز کا کیا پوچھنا؟ اگر ”وجہ“ سے تم اپنا چہرہ مراد لیں تو یہ کفر ہوگا۔ اگر ”وجہ“ سے وجہ اللہ مراد لیں تو وہ پیش نظر نہیں۔ پھر بھلا اس اشتباہ کا ازالہ ہو تو کیونکر اور کیسے؟

اسی طرح کلمہ شہادت کا اعادہ اذان اور اقامت میں کیا جاتا ہے اور شہادت یعنی گواہی رویت کی معتبر ہوتی ہے عدم رویت کی گواہی غیر معتبر ہوگی۔ اسی طرح اِنِّی وَجْهٌ لِّلَّذِی فُطِرَتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنِ کا مصداق کون ہے؟ اور اس اصطلاح کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے؟ آپ جب نماز پڑھنے سے قبل ان کلمات کو دہراتے ہیں تو اس کا مصداق کس کو ٹھہراتے ہیں اور اِنِّی وَجْهٌ لِّلَّذِی فُطِرَتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنِ

کہہ کر کیا اعتبار پیش نظر رکھتے ہیں تو مولانا موصوف حیران و ششدر رہ گئے اور بولے کہ میں ایک عامی شخص کے مانند ان الفاظ کو دہراتا ہوں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ عامی شخص عوام سے ہوتا ہے اور عوام کلام کے مصداق ہیں مگر آپ تو ماشاء اللہ دین میں خصوصی درجہ رکھتے ہیں نہ صرف عالم دین بلکہ شیخ التفسیر ہیں آپ کا شمار تو عوام میں نہیں ہو سکتا بلکہ آپ کا علم و عمل تو عامۃ المسلمین کے علم و عمل کے مقابلے میں زیادہ فوقیت اور خصوصیت رکھتا ہے پھر عبادت کا کمال تو یہ ہے کہ حدیث احسان کی رو سے

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ

کا حکم ہے۔ بھلا اس کمال عبادت کو آپ نے کس حد تک حاصل فرمایا ہے اگر یہ کمال آپ نے حاصل نہیں فرمایا ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے اب تک آپ نے کیا کوشش فرمائی ہے۔ غرض آپ کو اس فن کے اصطلاحات سے واقف ہونا پڑے گا چنانچہ محققین کے پاس ہی حدیث احسان بناءً فن تصوف و اصطلاحات تصوف ہے۔ علاوہ ازیں جب آپ عقائد و احکام میں فقہ، عبادت ایمان و اعمال ضابطہ میں مختلف اصطلاحات مثلاً کفر و شرک و نفاق و ارتداد، بدعت فسق و فجور، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے تفصیلی اصطلاحات اور ان کے مسائل و متعلقات (فروعات) کو آپ جائز رکھتے ہیں تو کیا یہ لازمی نہیں کہ دین کے ساتھ نعت جس کو قرآن نے حکمت سے تعبیر کیا ہے اور اس شعبہ میں اسرار و رموز کو شامل کیا گیا ہے ان کو بھی رائج اور بیان کرنے کے لئے اصطلاحات کیوں ضروری نہیں ہیں؟ بلکہ اس کو بدعت قرار دینا خود ایک بدعت ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

اصطلاحیت مرا بدارا زان نمی باشد خبر عقاال را
اب آئیے قرآنی اصطلاحات پر بھی ایک اجمالی نظر ڈالیں تو وجہ الہ، ید اللہ
ساق اللہ وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ تو ان الفاظ پر تا وقتیکہ وقوف حاصل نہ ہو یہ الفاظ
لائخل رہیں گے۔ چنانچہ مفسرین کرام نے ان مندرجہ بالا الفاظ کو من تفسیر کی ضمن میں قرآنی

اصطلاحات کے نام سے موسوم کیا اور ان کے مفہوم اور تعبیر کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح محدثین کرام نے فن حدیث کے اصطلاحات کو واضح و رائج فرمایا ہے مثلاً حدیث معروف یا متواتر، مشہور، حسن، احاد، غریب، ضعیف موضوع بلکہ ان کی تفصیل و توضیح بھی فرمائی ہے۔ پس جب قرآن و حدیث و فقہ کے لحاظ سے اصطلاحات کا جواز ہو سکتا ہے تو بھلا فن تصوف کے لئے اصطلاحات جو اسرار و رموز اور حقائق دین میں جن کو قرآن میں

وَمَنْ يُوْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

کی حیثیت سے واضح فرمایا گیا ہے۔ اور اسی بنیاد پر فقہ فی الدین کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے محققین و صوفیائے کرام نے اگر اصطلاحات تصوف بھی مدون فرمایا ہے تو یہ کام بدعت کیونکر ہو سکتا ہے اگر آپ جیسے علماء اس کو بدعت قرار دیتے ہیں تو یہ بدعت حسنہ ہوگی نہ کہ بدعت سیئہ۔ بلکہ یہ تو کتاب و سنت اجماع کے مطابق قیاس کے معیار پر پوری اتر سکتی ہے جو عین سنت ہوگی اس ساری بحث اور بیان کو مولانا مختاری صاحب نے سماعت فرما کر سکوت اختیار کیا اور تھوڑے دنوں کے بعد جماعت اسلامی سے خارج ہو کر اپنے ایک خاندانی مشائخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور اب تک مولانا نے موصوف سے جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت مرشدی و مولائی کی عظمت و شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ ذکر خیر ہی فرماتے رہتے ہیں۔

ایک اہل قرآن :

نگلور میں ایک بار فرقہ اہل قرآن کے ایک صاحب نے ملاقات کے دوران بحث و تکرار اس طرح شروع کی کہ میں قرآن کے سوا حدیث کو قطعاً نہیں مانتا کیونکہ انھیں احادیث کی بناء پر اسلام میں بیسیوں فرقے پیدا ہو گئے اور اس طرح دین میں تفرقہ اندازی اور فرقہ بندی پیدا ہو گئی ہے۔ لہذا دین کو صرف قرآن سے ہی سیکھنا چاہئے اس کو سوا سب کچھ عبث ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے ان سے فرمایا کہ کلام اللہ میں سے اگر کچھ یاد ہے تو تلاوت فرمائیے۔ تو انہوں

نے فوری جواب دیا کہ میں تو حافظ کلام اللہ بھی ہوں اور یہ کہہ کر کلام اللہ کی چند آیات تلاوت کیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یہ تو کلام اللہ نہیں بلکہ قرآن ہے۔ اس پر انہوں نے کہا قرآن ہی تو کلام اللہ اور یہ آیات اسی کی ہیں جو میں نے تلاوت کیں، اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اگر یہ کلام اللہ ہے تو اس کی دلیل قرآن سے ہی پیش فرمائیے کہ ہذا کلام اللہ تو انہوں نے فرمایا کہ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ كُوْدِلِيَآ پِش كِيا كِه يَكِي كِتَاب هِے اِس پِر حضرت قبلہ نے فرمایا كِه اِس سَے تَو ثَابِت هُور هَا هِے كِه يَه قِرْآن اِيَك كِتَاب هِے پَهْر اَنهُوْن نَے تَنْزِيل مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ اور هَذَا الْقُرْآن كُوْدِلِيل پِش كِيا تَو حضرت قبلہ نے فرمایا كِه اِس سَے تَو يَه ظَاهِر هُور هَا هِے يَه رَّبِّ الْعَالَمِينَ كِي طَرَف سَے نَازِل كِيا گِيا هِے اور يَه قِرْآن هِے۔ اِس سَے كِهَاں مَتَرَشْ هُور هَا هِے كِه يَه كِلَام اللّٰه هِے۔ نَآچَا رُهُور كِر اَنهُوْن نَے كِهَا كِه حُضُور اَنُور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَے فرمایا كِه يَه قِرْآن كِلَام اللّٰه هِے، اِس پِر حضرت قبلہ نے فرمایا كِه اِس سَے تَو يَه ثَابِت هُور هِے كِه آپ حَديث شَرِيف كَے قَائل هِیں۔

اگر آپ اس پر بھی انکار ہی پراڑے رہیں کہ میں حدیث کو نہیں مانتا تو قرآن کا کلام اللہ ثابت ہونا بھی محال ہو جائے گا اور جب تک آپ کلام اللہ کے قائل ہی نہ ہوں گے تو بھلا آپ کی ہدایت کا کونسا ذریعہ ہاتھ آئے گا اور اس کے ازالہ کے لئے اب تو حدیث کا قائل ہونا ہی پڑے گا اور قرآن سے آپ دین کے عقائد و احکام کا تفصیلی علم بغیر احادیث نبویؐ کے استفادہ کر سکتے ہیں اور پھر جب آپ کو دین کی تفصیلات ہی معلوم نہ ہوں گے تو بھلا ایمان و عمل صالح کے مسائل سے واقفیت کس طرح حاصل ہو سکے گی اور نجات و درجات آخرت و حیات بعد الموت کے لئے کیا زاد آخرت کا سامان مہیا ہو سکے گا۔ اس گفتگو سے وہ صاحب بالکل خاموش اور خفیف ہو گئے۔

مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی اور استوی علی

العرش کا مسئلہ :

ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی کے مواعظ کا غلغلہ بہت زوروں پر تھا اسی زمانہ میں مولانا نے موصوف مولوی عبدالباسط صاحب مرحوم صوبیدار کے یہاں کے ایک تقریب میں مدعو ہوئے تھے۔ دوران گفتگو حضرت مرشدی کے مواعظ کا بھی ان کے سامنے تذکرہ ہوا اور یہ بھی بیان کیا کہ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب تو خدا کے دیکھنے (مشاہدے) اور پانے (یعنی یافت) کی دعوت دیتے ہیں تو بھلا ان کی یہ دعوت کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ اسی کے دوسرے دن محلہ موسیٰ باولی نزد حسینی علم کے وعظ میں مولانا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو عرش پر ہے بلکہ عرش سے بھی وراء الوراء ہے بھلا اس کے دیکھنے اور پانے کا ذکر ہی کیا، چنانچہ حضرت قبلہ کو بھی اس واعظ کی رپورٹ پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر عرش سے وراء الوراء ہے تو اس کو ہماری باتوں کے سننے میں بڑی وقت ہوتی ہوگی۔

حالانکہ وہ تو **وَإِذْ سَأَلَكَ عِبَادِي** کے جواب میں ”فانی قریب“ کہہ کر اپنے قریب ہونے کا علم دیتا ہے اور پھر مزید براں **أَجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا** کا وعدہ فرماتے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے موصوف ”ورایت“ کے غلو میں ارشاد باری اللہ کی نفی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اس کے بعد حضرت قبلہ نے حضار مجلس سے ارشاد فرمایا کہ عموماً تحقیق کے باعث عوام تو عوام ہیں خواص علماء تک بھی چکر کھا جاتے ہیں محقق ہر محکمت کو تسلیم کرتے ہوئے مشابہات میں مطابقت دینے کی کوشش کرتا ہے اور اس خصوص میں نفسانیت اور تاویلات کو دخل نہیں دیتا۔ پھر فرمایا کہ دور رہ کر تزیہہ کرنے والا بے ادب اور گستاخ ہوتا ہے لیکن نزدیک رہ کر تزیہہ کرنے والا کمال ادب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

الْعَبْدُ عَبْدٌ وَإِنْ تَرَقَّى وَالرَّبُّ رَبٌّ وَإِنْ تَنَزَّلَ

مکالمہ سگ آستان پر ایک عالم دین سے :

کسی بات کے دوران آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو سگ آستان رسالت ہوں۔ یہ سن کر وہ عالم صاحب جھنجھلا کر کہنے لگے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں کہ انسان کو حیوان بنا دیا اور حیوان بھی ایسا کہ نجس العین یعنی کتا۔ بھلا انسان اشرف المخلوقات ہو کر ارذل المخلوقات کیسے ہو سکتا ہے آپ نے اس طرح گویا انسانیت کی انتہائی مذمت اور تذلیل کر ڈالی۔ حضرت قبلہ نے فرمایا جناب مولاناؒ محترم کیا آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی کی شخصیت کو بھی کچھ اہمیت دیتے ہیں جنہوں نے اپنے ایک شعر میں یوں اظہار فرمایا ہے

نسبت خود بہ سکت کردم ولس منفعلم زانکہ نسبت بہ سگ کوے تو شد بے ادبی

مولاناؒ محترم آپ بخوبی واقف ہوں گے کہ استعارہ اور تشبیہ کسی ایک وصف خصوصی کی بناء پر پیش کی جاتی ہے وہ صفت اگر کسی میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے تو بطور تشبیہ اس کا استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ حقیقتاً اس شخص کو تشبیہ کا عین مشابہ بنا دیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی بہادر یا جری شخص کو اگر کہہ دیا جائے کہ تو شیر ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوئے کہ وہ حقیقت میں ایک شیر ہے بلکہ اس میں جرأت و قوت کا جو ہر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے لہذا اس کو شیر سے مشابہت دے کر تعریف کی گئی پھر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا یہ شعر بھی آپ نے پڑھ کر اظہار نسبت کا مظاہرہ فرمایا

من خاک کف پائے سگ کوئے تو ہستم دور ہر منعکس خبر در تو ہیچ درے نیست
اسی طرح اگر کسی صالح و نیکو کا شخص کو کہہ دیا جائے کہ وہ فرشتہ ہے تو اس کے کہنے سے وہ فرشتہ نہیں ہو جاتا اور نہ ملکیت کا مرتبہ انسانیت کے مقابلے میں فوقیت رکھ سکتا ہے بلکہ جس شخص میں خیر اور صالحیت کی خصوصیت پائی جاتی ہے اس کو عموماً فرشتہ صفت انسان کہہ کر موسوم کرتے ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ انسان تمام مخلوقات اور کائنات مادی و نوری و ناری میں

شرافت کا امتیازی درجہ رکھتا ہے اور اشرف المخلوقات کہلاتا ہے لیکن اللہ و رسول کے مقابلہ میں انکساری و عاجزی ذلت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے کو ذرہ بے مقدار اور ازل المخلوقات سے تشبیہ دے کر پیش کرتا ہے نہ کہ حقیقتاً وہ ذرہ بے مقدار یا ازل المخلوقات ہو جاتا ہے بلکہ اس طرح اپنے کو ان دو ذات مقدس کے مقابلہ میں اپنی عبدیت و غلامی کے اعتبار کو کمال ذلت اور عاجزی کی صورت میں پیش کر کے عبدیت و غلامی کے کمال کا ایک طرح سے اظہار کرتا ہے اس لئے کہ ذرہ کو آفتاب تاباں کے مقابلہ میں چمکنے سے کیا کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ جز اس کے کہ آفتاب کے نور کے مقابلہ میں خود کو سرانگندہ اور ذلیل بن کر پیش کرے اور سرفراز ہو جائے۔

نواب قادر نواز جنگ :

نواب صاحب موصوف حضرت قبلہ کے پیر بھائی بھی ہوتے تھے کیونکہ ان کو بھی شاہ کمال اللہ المعروف مچھلی والے شاہ صاحب سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل تھا لیکن پیشی حضور نظام سابع میر عثمان علی خان بہادر کی خدمت کے باعث ان کو اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں حاضری استفاضہ فیضان سلوک کا بہت کم موقع نصیب ہوتا تھا اور صرف کتابی طور پر بطور مطالعہ معلومات تصوف حاصل ہونے کی بناء پر اور کچھ خوشامدی علماء اور مشائخین کی تملق آمیز باتوں سے متاثر ہو کر اپنے کو حقائق آگاہ اور معارف شناس سمجھنے لگے تھے وہ ایک بار دوران گفتگو میں اپنے ہاتھ کو دراز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ دیکھئے تبارک الذی بیدہ الملك یعنی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ملک (اقتدار) ہے اور پھر کہا ہے وہ ہاتھ تو یہی ہاتھ ہے تو حضرت قبلہ نے مسکرا کر فرمایا کہ نواب صاحب ذرا آیت مذکور کو پورا تلاوت فرمائیے کہ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یعنی وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے) بھلا سوچئے تو سہی اگر آپ چند علماء و مشائخین کو یومیہ کرانے کا اقتدار رکھتے ہیں تو اس کے کیا معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے مانند آپ ہر شے پر قدرت رکھ سکتے ہیں آپ کو توبہ کرنا چاہئے کہ ایسے کفر و الحاد کے کلمات آپ کی زبان پر سرزد ہوئے۔ چنانچہ نواب صاحب فوراً اس سے

تائب ہو گئے۔

مدارس کا تبلیغی دورہ اور مودی سیٹھ :

مدارس کے دورہ میں فقیر بھی حضرت قبلہ کے ہمراہ وہاں گیا تھا چنانچہ وہاں بنگلور کے ایک سربر آوردہ سیٹھ (محمی الدین سٹھ) المعروف مودی سیٹھ جو مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلوری شریف کے مرید تھے انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک بار ان کے شیخ نے فرمایا کہ کسی ایک شخص نے حضور انور ﷺ کو مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی صورت میں (جن کا وہ مرید تھا) حضور انور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ قیام سلام بدعت ہے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ حضور انور ﷺ نے اس کے شیخ رشید احمد صاحب گنگوہی) کی صورت میں اسی اقتضاء کے مطابق کلام فرمایا جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ”تکلموا الناس علی قدر عقولهم“ لیکن اگر میری صورت میں تشریف فرما ہوتے تو یقیناً قیام و صلوة کو جائز قرار دیتے۔ یوں بھی اکثر مختلف اقوام کے خواب میں حضور انور ﷺ مختلف زبانوں میں ان کی استعداد فہم کے لحاظ سے کلام فرماتے ہیں۔ لہذا قول فیصل یہی ہے کہ روایا کشف والہام جس پر واقع ہوتا ہے وہی اس کے مطابق عمل کرنے پر مکلف ہوتا ہے۔ دوسروں کے لئے وہ کشف قابل صحت یا متعدی نہیں ہوتا اور نہ دوسرا اس کے کرنے پر مکلف ہو سکتا ہے۔

حرم شریف اور مولوی رکن الدین صاحب :

حضور نظام سالع کے صاحبزادگان کے اتالیق مولوی رکن الدین صاحب بزمانے حج و زیارت حرمین شریفین حضرت قبلہ کے ساتھ رفیق حج انہوں نے حرم (بیت اللہ) میں سونے پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ حرم میں سونا ناجائز ہے اور حرام بھی۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ حرامی کے لئے حرام ہے اور ناجائز ہے لیکن حلالی کو سونا حرم میں جائز ہے۔ مولانا نے محترم کیا آپ نے ہر طرح کے شرک جلی اور خفی کی نجاست سے پاکی حاصل کر لی ہے تو آپ جواب دیں گے

کہ شرک جلی سے تو الحمد للہ پاک ہو گیا کسی مخلوق یا غیر اللہ کو معبود نہیں سمجھتا لیکن مقصودیت، موجودیت کے شرک خفی اور انہی کی ناپاکی کی ہنوز باقی ہے لہذا جس شخص نے شرک جلی اور خفی وغیرہ سے اپنے آپ کو پاک کر لیا ہے۔ وہ اس پاک حرم میں ہو سکتا ہے ورنہ شرک خفی اور اس کے متعلقات کی نجاست رکھتے ہوئے بھلا اس پاک مقام پر سونا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ میں نے شرک جلی اور خفی سے پاکی حاصل کر لی ہے۔ اس لئے حرم پاک میں مجھے سونا جائز ہے۔ اب آپ اپنے متعلق خود تصفیہ فرما سکتے ہیں کہ آیا آپ کا سونا حلال و جائز ہے یا حرام، زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے۔

مسئلہ انا اور نحن اور بہبود علی شاہ صاحب :

ابتدائی دور میں جبکہ حضرت قبلہ فیضان شیخا کبرجی الدین ابن عربی سے ایسی نسبت میں مستفیض ہوئے اور با مثال امر شیخ اکبر کے تعلیمات و فیضان کو برسر ممبر حکمت و موعظت حسنہ کے پیرایہ میں بیان کر نیکا حکم ہوا تو آپ نے اپنے ذاتی صرفہ سے جمع کروا کر بڑے بڑے پوسٹر شہر اور بیرون شہر حیدر آباد اور دراز مقام پر چسپاں کرائے اور اس امر کی دعوت دی کہ جس کسی کو طریقت و حقیقت و معرفت مطابق شریعت محمدی ﷺ تحت کتاب و سنت حاصل کرنا ہو وہ آئے اور اس خصوص میں معلومات حاصل کرے۔ چنانچہ اس خصوص میں محلہ نور خان بازار کے ایک صوفی بزرگ مسمی بہبود علی شاہ صاحب اپنے مریدین اور معتقدین کے ساتھ حضرت قبلہ کے مکان واقع محلہ الاوہ بی بیماں پر تشریف لائے اور کھٹکا مارا، تو حضرت مرشدی بہ نفس باہر تشریف لائے اس وقت جسم مبارک پر ایک معمولی سفید ہرک کی نیم آستین اور سفید تہہ بند اور سر پر گول ٹوپی زیب تن تھی بلا کسی تکلیف کے حضرت قبلہ نے باہر تشریف لا کر دریافت فرمایا کہ فرمائیے کس سے ملنا ہے تو مشائخ صاحب نے حضرت قبلہ کو معمولی آدمی سمجھ کر اور نہ پہچان کر کہا کہ ہم لوگ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب سے ملنا چاہتے ہیں کیا حضرت مو صوف گھر میں موجود ہیں۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ جی ہاں حضرت صاحب موجود ہیں آپ

فرمائیے کہ آپ ان سے کس غرض کے تحت ملنا چاہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا جس غرض کے تحت ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں اس کو آپ سے بیان کرنا عبث معلوم ہوتا ہے۔ آپ غوثی شاہ صاحب سے جا کر ہی کہہ دیجئیے۔ اس پر حضرت قبلہ نے کہا حضرت پیر غوثی صاحب سے جو مسئلہ آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے پوچھ لیجئیے میں انھیں کا ایک غلام ہوں۔ اگر مسئلہ مذکور مجھ سے حل نہ ہو سکے تو پھر اس کے بعد آپ اس کو حضرت موصوف سے حل اور دریافت فرما سکتے ہیں۔

اس پر ان بزرگوار نے فرمایا کہ میاں ابھی آپ ایک نو جوان لڑکے ہیں آپ کو ایسی علمیت کہاں کہ کسی مسئلہ میں حجت تمحیص کر سکیں لیکن پھر بھی جب آپ کا اصرار ہے تو میں ایک سوال پوچھتا ہوں کہ نَحْنُ اقْرَبُ بِالْإِيمَةِ مِنْ خَبْلِ الْوَرِيدِ میں واحد متکلم کے صیغہ کے بجائے جمع متکلم نَحْنُ (ہم) کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اس کا تعلق حدیث نبوی ﷺ سے ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ نَفْسٍ بِدَ "انا" اور "نحن" کی ضمیروں کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہذا معرفت نفس کی ضرورت داعی ہوتی ہے جس کو بالفاظ دیگر خود شناسی کہتے ہیں شاہ کمال کا قول ہے۔

حق شناسی کا گر ہنر ہونا خود شناسی سے بہر و در ہونا اسی لئے اس کو کسی شیخ کامل المعروف سے حاصل کرنے کی از بس ضرورت داعی ہوتی ہے۔ اسی گفتگو کے دوران (حضرت چچا پیر) مولانا شاہ محمد حسین صاحب قبلہ چشتی قادری (المعروف بہ ناظم عدالت سمستان ونہرتی) تشریف لائے اور انہوں نے جب حضرت بہبود علی شاہ صاحب کو اس طرح گفتگو میں مصروف پایا تو علیک سلیک کے بعد دریافت کیا کہ حضرت آپ یہاں کیسے تشریف لائے تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب قبلہ سے ملاقات کی غرض سے یہاں حاضر ہوا تھا لیکن ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس سے قبل ان کے خادم صاحب سے کچھ مکالمہ شروع ہو گیا تھا کہ اتنے میں آپ تشریف لائے تو شاہ محمد حسین صاحب

نے فرمایا ”اجی جناب حضرت مولانا غوثی شاہ صاحب سے ہی گفتگو فرما رہے ہیں۔ غالباً آپ کو حضرت سے تعارف حاصل نہیں ہوا اس پر حضرت بہبود علیشاہ دم بخود رہ گئے۔ آخر میں حضرت مرشدی نے مہر سکوت توڑ کر فرمایا کہ جس طرح اللہ کے ایک ادنیٰ بندے کو باوجود دیکھنے کے آپ بغیر تعارف کے نہ دیکھ سکے اور نہ پاسکے تو بھلا آپ ہی بتائیے کہ اللہ کو کیونکر اس جس بصری سے بلا اصول بصیرت جس کو معرفت اور خدا شناسی کہتے ہیں اس کو کیونکہ دیکھ اور پاسکتے ہیں اس لئے حق شناسی کے لئے خود شناسی شرط لازمی ہے کیونکہ انسان کو اول و آخر، ظاہر و باطن اور قریب و اقرب حق تعالیٰ ہی ہیں جیسے حسب ذیل آیات سے مفہوم مترشح ہوتا ہے۔

(۱) هُوَ الْوَلُّ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(۲) وَإِذْ سَأَلْتُ عَبْدِي عَنِّي فَنَنِي قَرِيبٌ

(۳) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

چنانچہ حق شناسی کے لئے سب سے پہلے خود شناسی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کیونکہ اول و آخر ظاہر و باطن حق ہی حق ہے جہاں خود کا (اپنا) تعارف حاصل ہوا کہ وہیں خدا اور اپنے مولیٰ کا تعارف بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اس وقت خود بخود ”نَحْنُ“ و ”أَنَا“ کے جمع اور واحد ہونے کا صحیح مفہوم پیش نظر ہو جائے گا۔ جو ہر حیثیت سے مصداق ذات ہوتا ہے کسی غیر اللہ پر جو اسم باسمے نہیں ہے اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا، صرف حق تعالیٰ جن کا اسم ذات اللہ ہے اور جو قائم بالذات اور موجود بالذات ہو کر اسم باسمی کہلاتا ہے اس کے سوا کسی دوسرے پر اسم باسمی کا اطلاق حقیقی طور پر صحیح نہیں ہو سکتا اور ذات اسم باسمی پر جو واقعی حاضر و ناظر ہے ”نَحْنُ“ و ”أَنَا“ کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے۔ اب یہ اپنے اپنے ہمت و حوصلے کی بات ہے کہ طالب مولانا طلب حقیقی رکھے۔ اور جو بندہ یا بندہ کا مصداق بنے جو جس کا طالب ہوتا ہے وہی اسی مطلوب کی تلاش و جستجو رکھتا ہے۔

پوچھتا پھرتا ہے مجنوں کو بکو کیا ادھر سے ناقہ لیلیٰ گیا (طیبات غوثی)

ایک ہندو گیانی سے مسئلہ ادویت اور دویت پر مکالمہ: میدک کے ایک وکیل صاحب جن کا نام یاد نہیں آتا۔ حضرت قبلہ کے پاس ایک ہندو گیانی کو اپنے ساتھ لائے اور ملاقات کے طالب ہوئے۔ یہ ہندو گیانی اپنے مذہب کے ادویت مسلک یعنی عینیت محض کے قائل تھے۔ دراصل وکیل صاحب موصوف کا منشاء تھا کہ دیکھیں اس ہندو گیانی سے مسئلہ وحدۃ الوجود میں حضرت قبلہ کس حد تک عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے اس سے سوال کیا مہاراج تم ادویت ہو یا دویت؟ تو اس نے جواب دیا میں ادویت ہوں۔ حضرت قبلہ نے سوال فرمایا کہ بتاؤ آسنسار میں پاپ زیادہ ہے یا پن؟ اس نے جواب دیا اس سنسار میں پاپ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ پاپ کون کرتا ہے؟ وہ بولے کہ پاپ ہم انسان ہی کرتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا، ادویت کی بناء پر تو یہ مشہور ہے کہ جو کچھ کرتا ہے وہ سب بھگوان کرتا ہے انسان کچھ بھی نہیں کرتا، تمہارے عقیدے کے برخلاف یہ بات تو دویت (غیریت) کی معلوم ہوتی ہے لہذا آج سے تم اپنے کو ادویت مت کہو اور دویت یعنی غیریت کے قائل ہو جاؤ۔ وہ یہ سن کر بہت خفیف ہو کر اپنے ساتھ وکیل صاحب سے آہستہ سے کہنے لگے کہ یہ صاحب تو مہا اتم گیانی (عارف تامتہ المعرفت) معلوم ہوتے ہیں۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد وکیل صاحب دوبارہ حضرت قبلہ کی ملاقات کو حاضر ہوئے تو فرمانے لگے کہ اس حضور اس ہندو گیانی کو آپ کے پاس مسلک وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں بطور آزمائش لایا تھا لیکن آپ نے کچھ اس طرح اس کو لا جواب کر دیا کہ آپ کا مسلک وحدۃ الوجود ہی خصوصی مقام و مرتبہ کا حامل ہے۔

تجدید بیعت پر مکالمہ مولوی عبدالقیوم صاحب وکیل ہائیکورٹ سے وکیل صاحب موصوف جو سردار بیگ صاحب کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے تجدید بیعت کے عنوان پر بحث و گفتگو ہوئی انہوں نے کہا جس طرح ایک عورت کسی ایک مرد کے نکاح میں آ کر کسی دوسرے سے رشتہ مناکحت یا ازدواج قائم نہیں کر سکتی ٹھیک اسی طرح ایک شیخ (پیر) کا مرید

ہو کر دوسرے پیر کا مرید نہیں بن سکتا۔ اس پر حضرت قبلہ نے لطیف پیرایہ میں فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ ایک مرد کے نکاح میں آکر کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ ایسا نکاح قطعی حرام ہوتا ہے۔ اگر اس کے موجودہ شوہر میں وصف رجولیت کامل طور پر نہ پایا جاتا ہے کہ تو کیا یہ شرعی حکم نہیں ہے کہ وہ ایسے شوہر سے خلع لے کر دوسرے مرد سے عقد کر سکتی ہے۔ آپ برامت مانئے۔ محققین و کالمین کے پاس تاوقتیکہ کوئی آدمی خود شناسی و حق شناسی کے جملہ مراتب (جن کا تعلق ذات صفات، افعال و آثار) سے ہے جب تک کامل عرفان حاصل نہ کرے۔

”طَالِبُ الْمَوْلَى مُذَكَّرٌ“ کا مصداق نہیں بنتا۔ آپ کے حضرت شیخ کی بزرگی مسلم ہے لیکن جس سلوک کے وہ حامل تھے اس کو سلوک متعبد کہتے ہیں اور سلوک متعبد میں تصورات و مراقبات کے مسائل کو کام میں لایا جاتا ہے جس سے روحانیت کے کمالات خرق عادات و کرامات) تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن مقامات کا امتیاز و شعور ہنوز حل طلب رہ جاتا ہے لیکن اس کے برعکس سلوک مطلق بھی ہے جو علمی اور غیر فانی ارشادات کے ذریعہ سے شیخ کامل (تامہ المعرفت) طے کراتا ہے اس سے خرق عادت حاصل ہونا نہ ہو مضائقہ نہیں۔ لیکن مقامات کا شعور اور امتیاز حاصل ہو کر نفس مطمئنہ کے درجہ پر فائز ہو سکتے ہیں جس کا مقام جنت الذات ہے ایسا سالک صاحب مقام کہلاتا ہے اسی کو تصوف کی اصطلاح میں انسان کامل کہتے ہیں۔ قرآن اسی مقام کو اس آیت کے ذریعہ واضح فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مَُّرْضِيَةً فَإِذَا خَلْتِ فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي** مولانا روم بھی اس مضمون کو حسب ذیل شعر میں ظاہر فرماتے ہیں

ہست بسیار اہل حال از صوفیان نادر است اہل مکاں اندر میاں

لہذا اگر اہل اللہ (انسان کامل) کے زمرہ میں آنا مقصود ہے تو کسی مرد حق آگاہ و حق نما سے وابستگی اور انتساب پیدا کیجئے۔ ورنہ محض تقلیدی و کورانہ عقیدت سے کچھ حاصل نہیں۔

کلمہ طیبہ پر علامہ ابوالاعلیٰ مودودی سے مکالمہ :

بانی جماعت اسلامی نواب ثار جنگ کے ساتھ ایک مرتبہ حضرت قبلہ کی خدمت میں تشریف لائے کچھ مکالمہ رہا۔ کلمہ طیبہ کی ضمن میں حضرت قبلہ نے ان سے سوال فرمایا کہ کلمہ طیبہ میں لا حرف نفی آیا ہے تو یہ لا کس کی نفی کرتا ہے۔ علامہ موصوف نے جواب فرمایا کہ علماء کا قول ہے کہ لا نفی جنس الہ کرتا ہے۔ یعنی لا نفی الہ باطلہ کرتا ہے اور الا کے ذریعہ اللہ ہی الہ برحق ہونے کا اثبات ہے۔

حضرت قبلہ نے فرمایا جب لا کے ذریعہ حرف نفی جنس الہ مقصود ہے تو الہ باطلہ کے ساتھ ہی الہ برحق کی بھی نفی ہو جاتی ہے لہذا جب دعوتی کلمہ سے ہی الوہیت کی نفی ہو گئی تو پھر اسلام و ایمان کا ذکر ہی کیا رہا۔ علامہ موصوف نے سکوت اختیار کیا۔ کوئی جواب ان سے نہ پڑا۔ حضرت قبلہ نے اس پر سیر حاصل تقریر فرمائی اور آخر میں فرمایا کہ لا سے نفی جنس الہ مقصود نہیں ہے بلکہ نفی وصف (الوہیت کے وصف یں توحید اسی، توحید فعلی اور توحید وصفی اور توحید ذاتی کے چار اعتبارات کی تفصیل محققین کرام کے پیش نظر رہتی ہے جس کو لا معبود الا اللہ۔ لا مقصود الہ۔ لا موجود الا اللہ لا مشہود الا اللہ کے تشریح کے تحت تفصیلی بیان آتا ہے اور اسی اعتبار سے الوہیت کے چار اعتبارات (ذات، صفات، افعال اور آثار) کیلئے پانچ راستے، چار منزل ایک مقام کو مقامات عشرہ کا نام دے کر تشریح بیان کی جاتی ہے۔ اس طرح چار راستے (راہ شریعت، راہ طریقت، راہ حقیقت اور راہ معرفت) اور اس کی چار منزلیں ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت بیان کر سکے۔ راہ وحدت کے اسرار و رموز کی تلقین کر کے مقام قرب تک یافت و شہود کے درجہ تک سالک کو پہنچا دیتے ہیں۔ حضرت شاہ کمال اللہ مخزن العرفان میں اسی کو اس طرح ایک شعر میں ظاہر فرماتے ہیں

کیتا جو قطع پانچ زبان چار منزلاں آخر مقام قرب اسے مہنتے ہوا
الوہیت غیر اللہ مطلوب ہے۔ اس تقریر سے جو تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہی، سن کر

علامہ ابوالاعلیٰ مودودی پر رقت طاری ہو گئی اور رونے لگے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ بے شک کلمہ طیبہ کے حقیقی فہم سے موجودہ دور کے علماء (الا ماشاء اللہ) بالکل خالی و عاری ہیں۔ اسی واقعہ کے بعد چند یوم کے اندر مولانا پنجاب تشریف لے گئے تو واپس حیدر آباد نہیں آئے اور تحریک جماعت اسلامی کا آغاز فرمایا۔

نفل روزہ اور چودھری شہاب الدین نقشبندی :

بیگم بازار کے قصابوں کے چودھری حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ سے بیعت و ارادت رکھتے تھے اور ان سے خلافت بھی حاصل کی تھی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں پیری مریدی فرماتے تھے۔ چودھری صاحب موصوف نے دوازہم شریف کے فاتحہ کے سلسلہ میں حضرت مرشدی کو دعوت نامہ بھیجا۔ حضرت قبلہ دعوت میں تشریف لے گئے۔ فقیر راقم الحروف بھی ہمراہ تھا جس وقت دسترخوان بچھایا گیا اور کھانا چٹا گیا تو حضرت قبلہ نے میزبان سے کہا آپ بھی تناول فرمائیے تو انہوں نے کہا کہ میں روزہ دار ہوں، حضرت قبلہ نے کہا یہ کونسا محل روزہ رکھنے کا ہے کہ دوسروں کو تو اطعام طعام کی دعوت دے رکھی ہے اور خود صائم ہیں۔ پھر اس روزہ کا شمار تو کسی فرض یا واجب یا سنت سے بھی تو نہیں معلوم ہوتا۔ اگر مستحب ہے تو آپ کا مقرر کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صریحی ارشاد کے مقابلے میں نفس یا قیاس کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی ہے جیسا کہ صریحی ارشاد ہوتا ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَتَهُ اللّٰهُ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

اس آیت پر حضرت قبلہ نے سیر حاصل تقریر فرما کر آخر میں فرمایا کہ اس قسم کے اعمال کا ملین کے پاس عبث کہلاتے ہیں اور فضول اعمال میں تصحیح اوقات کے سوا حاصل ہی کیا ہے جیسا کہ مشہور ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرِبِينَ

مسئلہ قرآن اور مولانا ابو محمد مصلح صاحب سے گفتگو :

بانی عالمگیر تحریک قرآنی کو بمقام ناوندگی (بشیر آباد علاقہ پایگاہ سرآسمانجاہ) مولوی محمد

کبیر خان صاحب سیشن جج پائیگاہ مذکور نے بہ سلسلہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت قبلہ دونوں کو مدعو فرمایا۔ وہیں حضرت مولانا موصوف سے بوقت ملاقات دریافت فرمایا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں انہوں نے بہت ترش روئی سے جواب دیا ”میں صرف قرآن پیش کرتا ہوں“ پھر مولانا موصوف نے حضرت قبلہ سے سوال کیا آپ کیا کام کرتے ہیں تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ میں تحت کتاب و سنت دین کو پیش کرتا ہوں اور اسی کی تبلیغ و اشاعت میرا کام ہے۔ چنانچہ اسی دن بعد مغرب شام میں جامع مسجد بشیر آباد جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد ہوا چونکہ حضرت قبلہ کو اسی شب ذریعہ ترین بلدہ روانہ ہونا ضروری تھا اسی وجہ سے قبل از قبل مولوی ولی اللہ حسینی صاحب تعلقدار (کلکٹر) پائیگاہ اور کبیر خان صاحب سیشن جج کے باہمی مشورے سے بوبلہ، اولی حضرت قبلہ کی تقریر کرائی گئی (فقیر رقم الحروف بھی موجود تھا) حضرت قبلہ نے اپنے بیان میں صاف صاف فرمایا کہ جو کوئی واعظ یا مقرر اپنے بیان میں کتاب و سنت کی روشنی میں اظہار خیال کرے اس پر عامۃ المسلمین کو عمل پیرا ہونا چاہئے کیونکہ ہر مسلمان قرآن و حدیث کے احکام کی تعمیل کے لئے مکلف ہے۔

اس طرح وہ ایمان و عمل میں صراط مستقیم پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ اس کے خلاف لغزش اور گمراہی کا امکان ہے اور صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر اہل انعام (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین خود بھی چلتے تھے اور دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دیتے تھے۔ محض قرآن اور محض حدیث کو پیش کر کے قوم و ملت کی حقیقی رہنمائی نہیں ہو سکتی۔ اس بیان سے مولانا مصلح صاحب کے خیالات پر کچھ اثر مرتب ہوا کہ بعد میں جب وہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو کوئی مضمون خاطر خواہ بن نہ پڑا۔ تقریر تو ہوئی لیکن عوام کچھ ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ ایک ایک کر کے مجلس وعظ سے کھسکنے لگے بلکہ لوگوں کا اصرار ہوا۔ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب پھر مکرر کچھ ارشاد فرمائیں لیکن ٹرین کا وقت قریب تھا۔ حضرت قبلہ اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ حضرت قبلہ کے ساتھ مولوی وجہ الدین صاحب وکیل سرکار پائیگاہ بھی بلدہ کی ٹرین میں ایک ہی کمپارٹمنٹ میں ہمسفر

تھے۔ انہوں نے دوران سفر اپنے تاثرات کا اظہاریوں فرمایا ”حضرت قبلہ! آپ کا وعظ تو بہت ہی دلچسپ تھا لیکن مولانا کی تقریر دلچسپی سے خالی و عاری تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گوشت تو ہے لیکن بلا نمک مرچ کے“ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ محقق اور مقلد میں یہی فرق ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں واضح کرنا ضروری ہے کہ اکثر شہر اور مضاف حیدرآباد میں دور و نزدیک جلسہ ہائے میلاد النبی منعقد ہوتے۔

حضرت قبلہ کو بھی مدعو کیا جاتا چنانچہ سب سے پہلے جو سوال داعین سے فرماتے تھے کہ آیا اس جلسہ میں کسی کی صدارت تو نہیں ہے اگر جلسہ میلاد النبی کسی کی زیر سرپرستی اور صدارت منعقد ہوتا تو اس کی دعوت کو رد کر دیتے اور فرماتے کہ جس جلسہ (میلاد النبی) میں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف فرما ہوتے ہوں وہاں کسی شخص کی صدارت بے معنی ہے۔ میں ایسے جلسوں میں شریک ہونا ناجائز اور حرام سمجھتا ہوں چنانچہ اس قسم کے جلسوں سے آپ اجتناب فرماتے۔ پہلے پہل تو لوگوں کو گماں ہوا کہ شاید حضرت اپنی موجودگی میں کسی کی صدارت گوارا نہیں ہے لیکن جب مندرجہ بال تو جیبہ حضور کی زبانی سنی تو ان کی بدگمانی رفع ہو گئی جب سے بجائے ”زیر صدارت“ کے الفاظ کی ”زیر نگرانی“ و ”زیر سرپرستی“ کا عنوان لکھنا شروع کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ ہر موقع پر شریعت محمدیؐ اور حفظ مراتب کا بطور خاص اہتمام فرماتے اور اپنے خلفاء اور متعین کو بھی اس کی تاکید کرتے۔

کامل و غیر کامل پر اس مسعود صاحب سے بات چیت :

جو ریاست حیدرآباد میں بعہدہ ناظم تعلیمات Director of Education امور کار گزار تھے۔ ان سے ایک ملاقات کے دوران ”کاملین“ اور ”غیر کاملین“ (یعنی ناقصین) کے امتیاز کے سلسلہ میں مولانا نے روم کے ایک شعر کو دلیل کے طور پر حضرت نے پیش فرمایا جو حسب ذیل ہے

کاریا کان را قیاس از خود گیر گرچہ باشد را نوشتن شیر ، شیر

اس شعر کو سن کر راس مسعود صاحب نے (جو مثنوی میں خصوصی درک رکھتے تھے) کہا کہ انگلستان کے پروفیسر نکلسن نے (جو ماہر ادب فارسی کہلاتا ہے) اپنی شرح مثنوی میں شعر مذکورہ بالا میں آخر میں بجائے شیر شیر کے شیر شیر (لہن) کر کے لکھا ہے لیکن آپ نے جو شیر شیر کہہ کر پڑھا تو ایک حد تک مصرعہ اولیٰ کی صحیح ترجمانی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ نے فوراً فرمایا خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود چوں بیائی ہنوز خر باشد اُس بچارے کو بھلا حقیقت کی کیا خبر۔ مثنوی مولانا روم کے حقیقی مفہوم و معانی سمجھنے کے لئے تو صاحب مثنوی سے یا نسبت محمدی رکھنے والے شخص سے نسبت و ارادت حاصل کئے بغیر صحیح مفہوم کو نہیں پہنچایا جاسکتا۔ چنانچہ مولانا روم نے خود اسی نسبت کی اہمیت کو حسب ذیل شعر میں واضح فرمایا ہے

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزے نہ شد
 اسی صحبت اور مکالمے کے بعد اکثر مسٹر راس مسعود صاحب حضرت قبلہ سے حضرت مولانا کے اکثر اشعار کے مفہیم کے استفادہ کرتے رہے بلکہ جب حضرت قبلہ نے مثنوی مولانا روم کی فارسی شرح بحر العلوم لکھنوی ثم المدرا سی کا ترجمہ مع توضیحات و حاشیہ کے ساتھ ”کنز مکتوم“ نام سے رسالہ جاری فرمایا جس میں مثنوی مولانا روم کے فارسی اشعار کو اسی وزن اور بحر میں اردو اشعار میں منظوم کر کے ترجمہ فرمایا اور اس کے کئی نمبر شائع بھی ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ خریداروں نے ایڈوانس جمع کرا کر ان کو حاصل بھی کیا تو راست مسعود صاحب نے بھی اس میں حصہ لیا بلکہ حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ اگر آپ اس کے ترجمہ و تالیف کے کام کو مستقل طور پر چلانے آمادہ ہوں تو سرکاری گرانٹ بھی سرکار نظام سے منظور ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دیگر سربراہ آوردہ حضرت نے جس میں مسٹر حیدری جو بعد میں حیدر نواز جنگ بھی ہو گئے انہوں نے عرض کیا لیکن طبیعت میں استغناء اور توکل تھا اس کام میں غیر اللہ پر بھروسہ و نظر رکھنا مذہب صوفیاء کے مسلک کے لحاظ سے توجہ بغیر حق ہوتا تھا۔ جو شرک خفی کہلاتا ہے اور لہذا آپ اس پر

آمادہ نہیں ہوئے بلکہ مستغنی اور متوکل رہے۔

مثنوی شریف اور نواب حیدر نواز جنگ :

جو پہلے وزیر فائننس رہے اور بعد میں صدر اعظم حکومت سرکارِ عالی ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا اور مشورہ بھی پیش فرمایا کہ اگر آپ اس کام کو انجام دیں اور مثنوی کے ساتوں دفتر کی شرح و ترجمہ اردو زبان میں طبع و شائع کریں تو اس کو جامع عثمانیہ اور علی گڑھ یونیورسٹی کے نصاب میں شریک کر کے باقاعدہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کا کام انجام دیا جاسکتا ہے اس طرح فارسی ادب کی بری خدمت ہوگی لیکن حضرت قبلہ کی طبیعت کی افتاد اور متوکلانہ مسلک نے باوجود ان وسائل کے امکان کے بھی قید و بند و نیاوی میں رہنا گوارہ نہ کیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ فقیر کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی نظر مسبب الاسباب پر ہی رہتی ہے وہ جو صورت پیدا فرمائے گا وہی بہر صورت بہتر اور مناسب ہوگی کیونکہ اس کا تو قطعی وعدہ ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

مسٹر حیدری نے یہ بھی کہا تھا کہ مثنوی مولانا روم کی شرح بزبان انگریزی پروفیسر نکلسن نے کی ہے۔ اس کے کل جز ساٹھ پونڈ میں اس وقت دستیاب ہوئے تھے اور آپ کی شرح بزبان اردو جو ہوگی اس کا اندازہ لگانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کل جز کی قیمت مشکل سے تقریباً ایک سو روپے سے زائد نہ ہوگی مگر یہاں تو کیف ہی دوسرا تھا۔ تفویض و توکل کے مقام ہی کو ہر محل میں پیش رکھا جاتا تھا بقول کے

ہجر اچھا ہے نہ ارمان و حال اچھا ہے یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

عظمت شیخ اور نواب سعید جنگ :

الموسوم بہ ابو سعید مرزا صاحب حضرت قبلہ کے پیر بھائی تھے اور اس زمانہ میں بچہ

ناظم اول فوجداری بلده عدالت میں مامور و کار گزار تھے ایک بار دفتر جانے سے پہلے حضرت قبلہ سے ملاقات کرنے حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو میں عظمت شیخ (پیر) کے عنوان پر بیان فرماتے ہوئے حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ہر انسان مظہر الہی ہے۔ جیسا کہ حضرت نظامی گنجوی فرماتے ہیں

ماقیمان کوئے دلداریم لطف دنیا و دین نمی آرم
کہ بچشماں دل بنیں خبر دوست ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست
لیکن بایں ہمہ تمام انسانوں میں وہ انسان عظیم المرتبت مظہر ہو سکتا ہے جس سے سرظہور کار از منکشف ہوتا ہے اسی کو انسان کامل کہتے ہیں اس لئے شیخ طریقت کو اپنا ویسا انسان تصور کر کے دیکھنا سوء ادبی ہے۔ اس کو تو مظہر خدا اور رسول کی حیثیت سے پیش نظر رکھنا چاہئے چنانچہ مولانا روم نے اسی جہت سے ارشاد فرمایا ہے

چونکہ ذات پیر را کردی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
اس اعتبار کے شغل سے نہ صرف خدا اور رسول کی اطاعت میں اخلاص ہی پیدا ہوگا بلکہ حب خدا اور رسول بھی پیدا ہوگا۔ اس پر مرزا صاحب موصوف اس قدر متاثر ہوئے کہ ٹوپی کو سر سے اتار کر فرش پر پٹک دی اور کہنے لگے کہ حضرت آپ نے مجھ پر برا احسان فرمایا جو اس حقیقت کا انکشاف فرمایا۔ بے شک میں نے آج تک اپنے شیخ کو اس نظر سے نہیں دیکھا اور بہت دیر تک اس کے تلمذ و ادراک کا لطف اٹھاتے رہے۔

مسئلہ وحدۃ الوجود پر نلگنڈہ کے ایک مصنف صاحب سے مکالمہ :

جناب عبدالرحیم صاحب جو ولایت کے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ ڈگری رکھتے تھے اور جنھوں نے فن تصوف کی کئی کتابوں کا کافی مطالعہ کیا تھا لیکن مسئلہ وحدۃ الوجود کو وہ الحاد پر محمول سمجھ کر اس مسلک اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی کتب کے مطالعہ کو عرصہ ہوا کہ سلام کر چکے تھے انہوں نے

ایک جلسہ میں حضرت قبلہ کی ایک غزل کو جس کا مطلع حسب ذیل ہے پیش کرتے ہوئے اس کی توضیح چاہی

لامکان چھپ نہ سکا یار تمہارا ہم سے اب تو ہر آن ملا کرتے ہو ہر جا ہم سے
اول و آخر ہو تمہیں ظاہر و باطن ہو تمہیں لامکان کہتے ہو کیوں اپنا ٹھکانہ ہم سے

اور پھر مزید یہ بھی سوال اور اعتراض کیا کہ جب اول و آخر، ظاہر و باطن حق یہی ہے جیسا کہ آیت **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ** و **هُوَ بَاطِنٌ حَقٌّ** کو دلیلاً پیش کیا جاتا ہے۔ تو بھلا اس کی توضیح سے تو یہ ثابت ہے کہ ہر شے کا اول و آخر، ظاہر و باطن، جب حق ہی ہے تو شے نام کو بھی باقی نہیں رہی لہذا بندہ یا خلق عین خدا ہونا لازم آتا ہے۔ براہ کرم اس کا صحیح حل بتائے تو حضرت قبلہ نے صرف دو جملوں میں یعنی ”بندہ حق نما اور حق بند نما ہے“ وضاحت فرمادی۔ اگر اس اصول کو عارف باللہ پیش نظر رکھے تو اس میں الحاد کا شائبہ تک باقی نہ رہے گا اس پر منصف صاحب بے حد متاثر ہوئے اور دیر تک ان پر کیف و سرور طاری رہا اور آخر ش کہنے لگے کہ آج تک اس اعتبار کو نہ کہیں سنا اور نہ کہیں پڑھا۔ حقیقت اور واقعہ تو یہی ہے کہ اس نظریہ سے اتوا الحاد و زندقہ کا راستہ ہی مسدود ہو جاتا ہے۔ اس طرح منصف صاحب موصوف وحدۃ الوجود کے مسلک کے سالکین میں شامل ہو گئے اور اس خوشی میں حضرت قبلہ کی اپنے پاس ایک پر تکلف دعوت بھی فرمائی۔

مسئلہ توکل پر مولانا سید ابراہیم صاحب سے مکالمہ :

جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر شعبہ دینیات اور عربی زبان کے مشہور ادیب مولانا سید ابراہیم صاحب جو عربی ادب کے علاوہ دیگر علوم میں بھی کافی عبور رکھتے تھے ان سے ایک مرتبہ توکل کے مسئلہ پر مباحثہ ہوا، انہوں نے کہا ترک اسباب کا توکل قطعاً ناجائز ہے۔ حضرت قبلہ نے جواباً فرمایا کہ ترک نظر اسباب کا توکل تو جائز ہے انہوں نے برہم ہو کر کہا کہ یہ سب تاویلات ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اچھا آئیے ہم اور آپ اس خصوص میں اپنے اپنے

مسک پر قائم رہتے ہوئے کاروبار خانگی کی سربراہی کی نوعیت سے باہمی تبادلہ کر لیں گے۔ میں آپ کے مسک کو تو اختیار نہیں کر سکتا بلکہ میں اسی طرح ترک اسباب کے توکل کے ساتھ اس بات کا یقین بھی دیتا ہوں کہ اس میں ذرا بھی آپ کے متعلقین کو تکلیف نہ ہونے دوں گا لیکن آپ بھی براہ کرم تھوڑے عرصہ کیلئے میرے متعلقین کی پرورش کا ذمہ لیجئے اور جس طرح چاہے آزادی کے ساتھ اسباب کے ساتھ توکل کرتے ہوئے پوری قوت سے سربراہی فرمائیے۔ دیکھیں اس طرح کون ہم میں سے کامیاب رہتا ہے۔ زیادہ نہیں صرف چوبیس گھنٹے ہی درکار ہیں ہم دونوں اپنے اپنے مسک کے تحت توکل کر کے گذاریں گے اور دیکھیں گے کون اس طرح سچا اور ثابت قدم نکلتا ہے۔ اتنا کہہ کر حضرت قبلہ نے جذبہ میں آکر فرمایا مولانا نے محترم آپ کو چٹھی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اگر آزمائش مقصود ہے تو بسم اللہ ورنہ بیجا گفتگو نہ فرمائیے۔ آپ جیسے ذی علم اور تبحر علمی رکھتے والے کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اپنے قیاس کو کام میں لا سکتے ہیں جو صرف یہ فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ واضح باد کہ آیت مذکورہ بالا میں اسباب پر توکل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ بالراست اللہ ہی جو مسبب الاسباب ہے اس پر ہی توکل کرنے کی عمومی دعوت دی گئی ہے اور پھر بھی یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر طرح سے کافی ہے لیکن وائے بر حال شاکہ آپ صرف اسباب پر بھروسہ کر رہے ہیں اور انھیں کو کافی سمجھ رہے ہیں۔ لہذا تو بہ فرمائیے اس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ چنانچہ مولانا نے موصوف بالکل خاموش اور ساکت ہو گئے اور آئندہ سے اس قسم کے مباحث سے مجتنب رہے۔

مسئلہ عینیت اور غیریت پر صوفی عبدالقادر صاحب واعظ سے مکالمہ :

ایک محبت میں حضرت صوفی عبدالقادر صاحب واعظ اور حضرت قبلہ سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے اعتراضاً کہا غوثی صاحب آپ نے کیا غضب کیا کہ شاہ کمال اللہ صاحب

(المعروف بہ مچھلی والے شاہ صاحب) سے جو ”وجود ایک ذات دو“ کے نظریہ کے قائل ہیں ان کے ہاتھ بیعت کر لی۔ باوجود اس کے کہ آپ کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ سے فیضان کشفی اور ایسی نسبت حاصل تھی۔ آپ نے یہ ایسا کام کیا ہے معلوم ہوتا ہے گویا حضرت شیخ اکبرؒ نے آپ کو اپنے پاس سے دھتکار دیا ہے۔ حضرت قبلہ نے ان سے سوال فرمایا جناب صوفی صاحب ذرا پہلے ذات کی تعریف تو فرمائیے انہوں نے برہم ہو کر کہا، کیا مجھے لوٹا سمجھتے ہو جو ایسا سوال کرتے ہو۔ حضرت قبلہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا آخر آپ کو ذات کی تعریف کرنے میں کون سا امر مانع ہے۔ جھنجھلا کر کہنے لگے ذات ہی کو وجود کہتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا اگر ذات ہی وجود ہے تو وجود کی کیا تعریف ہو سکتی۔ صوفی صاحب کہنے لگے وجود ہی کو ذات کہتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا اچھا بتائے تو سہی کہ ذات کی کتنی قسمیں ہیں انہوں نے کہا ذات میں دوئی ہی نہیں ہے۔ حضرت قبلہ نے دین کی اساس کلمہ طیبہ جو اسلام کا دعویٰ کلمہ ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کو پیش فرما کر کہا اس میں تو ایک ذات اللہ کی اور دوسری ذات محمد ﷺ کی ہے جو عبد اور رسول ہیں اس سے تو دو ذات کا اثبات ہو رہا ہے وہ بول اٹھے محمد ﷺ ہی تو اللہ ہے تو حضرت قبلہ نے فرمایا جب محمد ہی اللہ ہے تو رسول اللہ کا لقب عبث ہو جاتا ہے۔ صوفی صاحب کہنے لگے یہ غیریت اعتباری ہے ورنہ درحقیقت محمد ﷺ ہی اللہ ہیں۔ اس گفتگو کو دیگر حاضرین اور خود شاہ محمد حسین صاحب ناظم سمستان و پرتی جو اس صحبت میں تشریف رکھتے تھے۔ سنا اور اس وقت سے ان کی خوش اعتقادی کا پردہ چاک ہو گیا۔ واضح باد کے حضرت محمد حسین صاحب جناب صوفی عبدالقادر صاحب کو مامور من اللہ سمجھتے تھے اس مکالمہ کے بعد سے صوفی صاحب کی شہرت ماند پڑ گئی اور کیوں نہ ہو کہ اتمام حجت کے باد حق، حق ہو جاتا ہے اور باطل، باطل۔ مسئلہ واحد الوجود میں الحاد و زندہ کا سبب صحیح عقائد کا فقدان ہے۔

پردہ نسوان پر ایک ڈاکٹر ماہر نفسیات سے گفتگو:

بلائی کے دوران سفر میں ایک بار ایک ڈاکٹر پی ایچ ڈی (نفسیات) سے ٹرین میں

سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے ہوئے ملاقات ہوئی۔ اس نے نفسیاتی نقطہ نظر سے عورتوں کو مذہب اسلام میں پردہ کی قید و بند میں رکھنا ظلم پر محمول کیا اور کہا کہ ہر شخص کو نفسیاتی نقطہ نظر سے آزادی خیال کا حق حاصل ہونا چاہئے اور آزادی عمل کا مجاز گردانا چاہئے نہ کہ آزادی خیال اور آزادی عمل کے جذبہ کو مجروح کر کے اس ظلم کو رواں رکھا جائے آپ ہی تصفیہ فرمائے کہ یہ ایک گونہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ ماہر نفسیات ہے اس وجہ سے زرا میرے اس سوال کا جواب دیجئے کہ آپ کی ماں بیٹی اور بیوی بہن پر اگر کوئی شخص بری نظر ڈالے تو نفسیاتی طور پر آپ کے جذبات پر کیا اثر مرتب ہوگا۔ تو ڈاکٹر صاحب نے کہا میری عزت کبھی اس کو برداشت نہ کر سکے گی کے میرے ناموس پر کوئی غیر محروم بری نظر ڈالی حضرت قبلہ نے فرمایا جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں کیا نفسیاتی نقطہ نظر سے آپ اس کو دوسروں کے حق میں پسند فرما سکتے ہیں یا ایسی بات دوسروں کے حق میں کیونکر پسندیدہ ہو سکے گی کیا آپ اپنی ماں، بہن، بیٹی، اور بیوی کے ناموس کی بد نظری جائز سمجھ سکتے ہیں۔ غالباً اس کا جواب آپ یہی دیں گے کہ ہمارے نقطہ نظر سے یہ نہ صرف ہمارے لئے اور نہ دوسروں کے لئے جائز ہو سکتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب موصوف اعتراف کیا اور فرمایا کہ میں تو بد نظری کی نظر سے کبھی کسی عورت کو نہیں دیکھتا اور نہ دوسروں پر بد گمان ہوں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا آپ جیسے پاکیزہ کردار اور خیالات کے لوگ تو شاذ و نادر ہی ہو گے لیکن عوام کا الانعام تو ایسے نہیں ہو سکتے اور اقلیت کے مقابلے میں اکثریت کا پہلو ہمارے معاشرے میں ملحوظ رکھا جاتا ہے اسی لئے مذہب اسلام نے اس پہلو کو بمتقہضائے احتیاط ملحوظ وہ لازم گردانا ہے اور اس سے دوسروں کی نظر اور جذبات کی حفاظت مقصود ہے نہ کہ صنف نازک پر قید و بند یا تحدید عائد کرنی مقصود ہے اور پھر پردہ کے سلسلہ میں نا صرف صورت کو چھپانا ہی مطلوب ہے بلکہ آواز، لہجہ اور مستعملہ زیور کی جھنکار تک کا خیال رکھا گیا ہے کہ سننے والے کے جذبات کو کبھی نفس امارہ برائی کی جانب نہ لی جائے اس

بیان سے ڈاکٹر صاحب موصوف بہت متاثر ہوئے۔

حقانی صاحب پرنسپل گلبرگہ کالج سے طبعیت اور نفس پر گفتگو: مولوی ابوتراب صاحب ناظم تعمیرات حکومت نظام حیدر آباد کے مکان واقع کاجی گودہ پر حقانی صاحب پرنسپل گلبرگہ کالج سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے کہا میرا دماغ (mind) نہیں چاہتا کہ میں دین کا کوئی کام کروں بقول حضرت غالب کے

جاننا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبعیت ادھر نہیں آتی پہلے تو ایمانی نقطہ نظر سے تھوڑی دیر تک اس پر بحث و تمحیص ہوتی رہی لیکن حقانی صاحب اس سے کسی طرح قائل نہیں ہوئے۔ آخرش حضرت قبلہ نے دوسرا حربہ استعمال کیا اور کہا کہ اچھا جناب یہ بتائے کہ آپ کے افسر بالا دست یا وزیر تعلیمات کے احکامات کی پابندی کے لئے آپ کا دماغ (mind) کیا حکم لگاتا ہے۔ کیا وہاں بھی وہ اسی طرح سرکشی اور نافرمانی اور حکم عدولی کا نظریہ پیش کرتا ہے۔

تو انہوں نے کہا کہ ایسا کرنا گویا Bread of Government Order یعنی گورنمنٹ کے حکام کی خلاف ورزی اور ماتحتی اور Discipline کے مغاثر ہوگا اور ہمارے ریکارڈ پر بدنامہ داغ Remark ثابت ہوگا۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ جیسے انسانوں کی اختراع جنی بصورت ضابطہ ملازمت کی آپ خلاف ورزی کرنے میں زرا بھی اپنے دماغ Mind سے مشورہ نہیں کرتے بلکہ کسی پس و پیش کے اسکا تعمیل ضروری سمجھتے ہیں اور عدم تعمیل میں اپنے کارنامہ ملازمت کے خراب ہونے کا اندیشہ پیش نظر رکھتے ہیں تو بھلا اس خالق عالم کے نازل کئے ہوئے ضابطہ و دستور حیات یعنی جس کو قرآن اور کلام الہی کہتے ہیں اس کے قواعد و احکام کی خلاف ورزی کر کے اپنے نامہ اعمال کا ریکارڈ کیوں خراب کرتے ہیں اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ کا دماغ mind تو اس طرف عمل کرنے کے لئے متوجہ کرتا ہے مگر آپ کا نفس خود سہل انگاری اور لاپرواہی کے ماتحت اس طرف رجوع ہونے سے باز رکھتا ہوگا۔ جس کو

چھلاوہ اور وہم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن نفس پر قابو پانا کوئی بچوں کا کھیل تو ہے نہیں۔ اس کے لئے تو تربیت Training کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور تربیت کے لئے کسی مربی کو تلاش کرنا پڑتا ہے اور ایسے مربی کو شیخ کامل یا پیر طریقت کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم فرما رہے ہیں

بیچ نہ کشد نفس راجز ظل پر دامن آن نفس کش راخت گیر

جناب صدیق دیندار جن بشویشر سے دو بدو مقابلہ اور مباحثہ :

مستقر ضلع راجپور میں نواب ثاریار جنگ تعلقدار کے مکان پر حضرت قبلہ کے پیر بھائی تھے۔ صدیق دیندار بانی انجمن متولی خانقاہ سرور عالم واقع آصف نگر بلدہ سے گفتگو کا اتفاق ہوا عنوان ختم نبوت تھا صدیق دیندار صاحب نے حدیث ”العلماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل“ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے اسی بناء پر پروزی بنی اور مثل بنی ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو صحیح ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اگر اس طرح کا نبی ماننا ہے تو میں خود کو پیش کرتا ہوں کہ مجھے بھی پروزی بنی اور مثل نبی تسلیم کرو۔ صدیق دیندار صاحب نے برہم ہو کر فرش پر ہاتھ مارتے ہوئے دھمکی دی، آپ اس خصوص میں مزید بحث کی تو مثل کے رکھ دوں گا۔ حضرت قبلہ نے اپنی پنڈلی پر سے تہہ بند چڑھاتے ہوئے چند بالوں کو پکڑ کر فرمایا اگر تصرف بتانا مقصود ہو تو ذرا بالوں کو تو تیزھا کرو۔ صدیق دیندار صاحب ساکت ہو گئے اور کچھ وقفہ کے بعد گویا ہوئے کہ آئیے ہم اور آپ مل کر دین اسلام کی خدمت کریں گے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا دین اسلام کی خدمت اور تبلیغ کے لئے مبلغ کو صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی ضرورت ہے۔ پہلے ناقص اور باطل عقیدہ سے آپ توبہ کیجئے۔ میرا اور تمہارا ساتھ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ ختم نبوت کا عقیدہ ہر فرقہ اسلامیہ کے پاس مسلم ہے جو شخص ختم نبوت کے عقیدہ کا قائل نہیں ہے اس کی نسبت تمام علمائے اسلام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ وہ مرتد ہے لہذا ایسے عقیدہ باطلہ سے تائب ہونا ہی نجات اخروی کا باعث ہوگا۔

انھیں صدیق دیندار صاحب نے ایک پمفلٹ بعنوان ”خادم خاتم النبیین“ شائع و طبع کرایا اور عامۃ المسلمین کو ایک طرح کا مغالطہ دیا چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام حضور انور ﷺ کے خادم ہیں اور حضور کی امت کے علماء نبی اسرائیل کے نبیوں کے مانند ہیں۔ اس لئے تمام انبیاء حضور انور ﷺ کے خادم ہیں اسی طرح علمائے امت محمدی اپنے کو حضور خاتم النبیین کا خادم سمجھتے ہیں لہذا بالفاظ دیگر خود اپنے آپ کو خادم خاتم النبیین بتلاتے ہوئے مثل نبی قرار دے کر ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف ایک طرح اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ حالانکہ حدیث نبوی کی رو سے حضور انور ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کو انھی بھی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ چنانچہ اس فتنہ کے ازلہ کے لئے حضرت قبلہ نے بڑے بڑے پوسر طبع کرا کر اس فتنہ کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے عامۃ المسلمین کو متنبہ و آگاہ فرمایا تاکہ عامۃ المسلمین اس سے مغالطہ کھا کر گمراہ نہ ہو جائیں اور اس غلط عقیدہ سے اپنے آپ کو محفوظ و محترم رکھیں۔

اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو ارتداد کے راستہ کھل جائے گا۔ اس فتنہ سے نہ صرف عامۃ المسلمین کو ہی آگاہ فرمایا بلکہ اکابر علماء و مشائخین جو دیندار صاحب کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو چلے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ مولانا صدیق دیندار مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا مستحسن اقدام بذریعہ تراجم قرآنی بزبان تلنگی، کٹری، مرہٹی، ہندی، انگیزی وغیرہ کر کے دین کی ایک بہترین خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اسی بناء پر دیندار مشن کے خلاف ان حضرات کی طرف سے اعتراض یا اصلاحاً کوئی بات ظاہر نہ ہو سکی اور نہ حضرات نے دیندار صاحب کے اس مغالطہ کا سد باب ہی کیا۔ بلکہ جب حضرت قبلہ نے ان علماء و مشائخین کے سامنے ”خادم خاتم النبیین“ پمفلٹ کی قابل اعتراض عبارت کو پیش کیا تو وہ ان اعتبارات کو جو خلاف عقیدہ اہل سنت و الجماعت تھے۔ معلوم کر کے اپنے حسن ظن سے تائب ہو کر باز رہے۔ البتہ عامۃ المسلمین میں سے چند خوش اعتقاد افراد جو دیندار صاحب سے عقیدت رکھتے تھے

انہوں نے اپنے زعمِ باطل میں حضرت سے گستاخانہ انداز میں گفتگو کرنے کا عزم کیا اور یہ خیال کر کے دیندار صاحب جو دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس پر ابو جہل کی طرح جناب غوثی شاہ صاحب روڑے اٹکارہے ہیں لہذا ان کی خبر لینی چاہئے لیکن وہ لوگ جب حضرت قبلہ کی خدمت میں آئے اور پمفلٹ مذکور کو حضرت کے موابہ میں پڑھ کر دیکھا تو اپنے حربوں (ڈنڈے اور لاشی کو) سیدھا کر کے بولے کہ ہم لوگ اب ان کی خبر لیں گے۔

جو بھولے بھالے مسلمانوں کو مغالطہ دے کر دھوکہ بازی سے کام لیتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے ان سے کہا کہ میرا منشاء ہرگز اس سے یہ نہیں ہے کہ آپ لوگ فتنہ و فساد یا لڑائی جھگڑا برپا کریں بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ خود کو اور اپنے متعلقین کو اور دیگر احباب کو اس فتنہ سے محفوظ رکھیں رہ گیا دیندار صاحب کا معاملہ منعم حقیقی کے سپرد کرنا چاہئے وہ خود اس کا باحسن الوجہ انشاء اللہ سد باب کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد میں چل کر جناب صدیق دیندار صاحب کے مشن کو کوئی خصوصی کامیابی میسر نہ ہو سکی۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح دین کے عقائد و احکام کے خلاف جس معاملہ میں اور جہاں اور جس مقام اور جس شخص سے بھی زر الغرش یا سرو گذاشت کا زرا احتمال بھی محسوس کیا فوری اس کے سد باب کے لئے تحریر و تقریر کے ذریعہ ہمیشہ اس کا ازالہ اور التمام حجت فرمایا۔ چنانچہ حسب ذیل اور واقعات بھی ناظرین و قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

سر مرزا اسماعیل :

جس زمانہ میں ریاست حیدر آباد دکن کی صدارت عظمیٰ پر سر مرزا اسماعیل مامور کار گزار تھے انھوں نے اپنے دور میں کسی مقام جلسہ میں مذہب اور سیاست کو جدا ٹھراتے ہوئے کہا تھا کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں بعد میں مسلمان۔ اس پر قبلہ نے ان کو فہمائش فرمائی کہ آپ جیسی ذمہ دار شخصیت کا ایسے الفاظ کا استعمال کرنا عامۃ المسلمین میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہر مسلمان مذہب کے مقابلے میں سیاست کو مقدم نہیں سمجھتا

اس کی سیاست بھی مذہب کے تحت ہی رہتی ہے۔ مسلمان کا ظاہر و باطن یکساں رہتا ہے اسکے قول و فعل میں یکسانیت ہوتی ہے۔ موجودہ مروجہ سیاست میں اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ مصلحت ظاہری الفاظ کی ملمع سازی کی جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اس کے خلاف دل میں اس کے برعکس جذبات موجزن رہتے ہیں ایسے اعتبارات کو مذہبی نقطہ نظر سے نفاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مسلمان بہر صورت و بہر قیمت کبھی منافق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صداقت اور خلوص اس کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے تمام اخبارات میں مراسلت اور جوابی مراسلت کی باقاعدہ اشاعت بھی ہوتی تھی۔ جس سے عامۃ المسلمین اور دیگر عوام کو حقیقت حال سے آگاہ ہوئی کہ مذہب اسلام اور اس کی سیاست جداگانہ حیثیت نہیں رکھتی۔ ہر مسلم کا ظاہر و باطن یکساں ہونے کے بعد جو بھی وہ کرے یا کہے گا اس کا یہ عمل مذہبی احکام کی روشنی میں ہوگا، لیکن غیر مسلم اور مغربی سیاست کا حال بالکل اس کے برعکس اور مغائر ہے۔ بنا علیہ وہاں مذہب و سیاست میں جدائی اور مغائرت ہو سکتی ہے۔

خط کے ذریعہ فہمائش جناب قاسم رضوی صاحب کے نام:

رضا کار دور میں مجلس اتحاد المسلمین کے صدر صاحب سید قاسم رضوی اپنے عہدے اور قوم میں ملی مقبولیت کے باعث اپنے زعم ملی میں جو بھی دل میں آتا، زبان سے اس کا اظہار کرنے سے دریغ نہ فرماتے۔ اس زمانہ میں ان کا طوطی بول رہا تھا انہوں نے ایک بار ایک جلسہ میں دوران تقریر فرمایا کہ میں عبادت صرف اس کو نہیں سمجھتا کہ جھک جائیں یا سجدہ ریز ہو جائیں بلکہ میں حقیقی نماز اس کو سمجھوں گا کہ ہر مسلمان جو کسی ہنگامہ میں زخمی ہو جائے تو اس کی مرہم پٹی کرنا، دوسرے تمام مسلمان اپنا فرض اولین سمجھ لیں اور جھٹ سے حضرت سعدیؒ کا ایک شعر سند میں پیش کر دیا

عبادت بجز خدمت خلق نیست بہ تسبیح و سجادہ و خلق نیست
چنانچہ اس نوعیت کا بیان اس زمانہ کے اخبار میں شائع ہوا جس سے مطلع ہو کر حضرت

قبلہ نے ایک مراسلہ بطور فہمائش رضوی صاحب کے پاس روانہ کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ”جناب رضوی صاحب السلام علیکم۔ آپ جیسی عامۃ المسلمین کا نمائندہ اور ذمہ دار شخصیت کو ایسے الفاظ استعمال کرنے میں احتیاط و تامل سے کام کرنا چاہئے جس سے مداخلت فی الدین اور اختراع فی الدین کا الزام جمہوریت کی طرف سے آپ پر عائد ہوتا ہے۔ آئندہ ایسے بیانات سے آپ کو اجتناب کرنا چاہئے۔“

اسکا کوئی جواب تو وصول نہیں ہوا البتہ آئندہ سے اس قسم کا کوئی بیان رضوی صاحب کا ایسا نہیں ہوا جس پر کوئی اعتراض ہوتا۔ اس زمانہ میں حضرت قبلہ کے بعض احباب و متقیدین نے منع بھی کیا تھا کہ اس وقت رضوی کی کمان چڑھی ہوئی ہے مگر اس کے باوجود حضرت قبلہ نے بلا کسی پس و پیش کے فوراً ان کو جواب دیا کہ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ زیادہ برین نیست کہ میں شہید کر دیا جاؤں گا اس کے لئے تو فقیر سر بکف تیار ہے۔

فہمائش بنام مولوی عبدالرؤف صاحب وزیر تعمیرات حیدر آباد :

مولوی محمد عبدالرؤف صاحب بی اے، ایل ایل بی لائق علی صاحب کے دور وزارت عظمیٰ میں محکمہ تعمیرات کے وزیر تھے۔ انہوں نے بھی اسی نوعیت کی لغزش سے کام لیا تھا مگر حضرت قبلہ نے ان کو بھی فہمائش فرما کر اس لغزش سے متنبہ فرمایا۔

دعوت اسلام اور مہاتما گاندھی صاحب :

پولس ایکشن اور تقسیم ہندوستان و پاکستان کے بعد حضرت قبلہ نے گاندھی جی آنجنائی کو ان کی وفات سے ایک ہفتہ قبل دعوت اسلام دی تھی۔ ان کے پرائیوٹ سکرٹری مسٹر پیارے لال کے توسط سے ذریعہ رجسٹری ایک دعوت نامہ روانہ کیا جس میں تحریر تھا ”گاندھی جی مہاراج؟“

آپ کا اپنے کو مہاتما سمجھنا لوگوں کا آپ کو مہاتما نام سے مخاطب کرنا ایک نفیاتی و سوسہ اور شیطانی دھوکہ ہے۔ قرآن جس کو آپ اکثر پڑھتے ہیں اس میں صاف طور پر ایک آیت

یہ بھی آئی ہے

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّ اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا

(ترجمہ: جو کوئی بھی ہو جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول (محمد رسول اللہ) پر ایمان

نہیں لاتا تو ایسے کافروں کا ٹھکانا سعیر تیار کر رکھا ہے)

لہذا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کی رو سے جو شخص اللہ کو الہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تسلیم نہ کرے، خواہ وہ نیک عمل اور رفاہ عام کے کتنے بھی کام کرے نجات تک نہیں پاسکتا۔

اس دعوت نامہ کو لکھتے وقت بھی بعض احباب اور معتقدین نے مشورہ دیا کہ ایسا دعوت نامہ دے کر اور بھی مصیبت میں پھنسا ہوگا تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ دعوت اسلام دینا ہر مسلمان پر عموماً اور علماء و مشائخین پر واجب ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ اب تک گاندھی کی جو نہایت دلچسپی سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں بلکہ ان کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ

”انہوں نے قرآن سے وحدت و اخوت کا سبق سیکھا ہے“ ان کو تا حال کسی شخص نے دعوت اسلام نہیں دی۔ جس سے ان کو اور ان کی قوم کو حقیقی آزادی (نجات) نصیب ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ وحدت اور اخوت کا سبق تو قرآن سے لیا لیکن اس کا صحیح استعمال کرنے کے بجائے دوسرے پہلو کو پیش نظر رکھ کر استعمال کیا۔ صرف انہوں نے حکومت برطانیہ کی غلامی سے ملک و قوم کو آزاد تو کرنا چاہئے۔ مگر یہ آزادی، حقیقی آزادی نہیں کہلائی جاسکتی۔ بلکہ اس آزادی کے حصول سے تو قوم و ملک کے باشندے فتنہ و فساد اور مصائب و آلام کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے ہیں اس سے تو غلامی کا زمانہ ہی بہتر تھا اور آسائش کے سامان مہیا تھے اس کے برعکس حقیقی آزادی (نجات) حاصل کرنے کا نسخہ تو مذہب اسلام نے پیش فرمایا ہے مجھے دعوت اسلام دے کر اتمام حجت کرنا مقصود ہے کہ کل بروز قیادت موجودہ علماء و مشائخین سے مواخذہ نہ ہو کہ تم نے گاندھی جی جیسی شخصیت جو خلوص اور ایثار و قربانی کا جذبہ بھی رکھتے ہیں دعوت اسلام کیوں نہیں دی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ دنیاوی آزادی اور اس کی فلاح عارضی اور فانی ہے

لیکن آخرت کی زندگی حقیقی آزادی و فلاح ابدی اور راحت کے سامان کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ یہ حقیقی آزادی جس کو نجات کہتے ہیں ابدی اور غیر فانی ہے۔ اس کے مقابلہ میں عارضی آزادی جو فنا ہونے والی ہے دنیوی آزادی ہے جس میں حقیقی سکون و آسائش کے سامان موجود نہیں ہیں بلکہ متاع دنیا کو قلیل کر کے ظاہر کیا گیا ہے

فل متاع الدنيا قليل

اور آخرت کو اس سے ہزار درجہ بہتر بتایا گیا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ برقرار رہے گی اور وہاں ابدی عیش و راحت کے سامان مہیا ہیں مجھے اس کی مطلق پروا نہیں کہ اس دعوت کا رد عمل کیا ہوگا۔ میں صرف خوف خدا رکھتا ہوں اور غیر اللہ یا مخلوق سے بے خوف ہوں چنانچہ اس دعوت نامہ کا کوئی جواب وصول نہیں ہوا، البتہ اس کے دوسرے یا تیسرے دن گاندھی جی نے اپنے ایک بھاشن میں جو برلاہاؤس سے شام میں براڈ کاسٹ Broad cast ہوتا تھا یہ الفاظ ظاہر فرمائے تھے ”لوگ مجھے کافر سمجھتے ہیں حالانکہ میں موحد ہوں میں بت پرستی نہیں کرتا لیکن بت پرستی کو برا بھی نہیں سمجھتا کیونکہ بت میں اور سب میں اسی وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کا روپ جلوہ گر ہے۔“ اس بھاشن کی بناء پر حضرت قبلہ نے ایک مراسلہ روانہ کرنے والے تھے لیکن ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو کسی بد بخت نے ملک و قوم کے سب سے بڑے محسن کے احسان کو فراموش کرتے ہوئے گولی کا نشانہ بنا دیا گاندھی جی اگر اسلام کی حقیقی روح سے واقف ہو جاتے تو مہاتما ہی نہیں بلکہ ولی کامل کے مرتبہ کو پہنچ جاتے۔

”نور النور“ اور مولانا اشرف علی تھانوی: کتاب نور النور جو مسئلہ وحدۃ الوجود اور اس کے متعلق مسائل (عینیت و غیریت، تخریب و تشبیہ تجدید امثال اور جبر و قدر وغیرہ) کی ایک جامع اور محققانہ اسلوب کے ساتھ فن تصوف میں حضرت نے تصنیف فرمائی ہے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں شائع فرمایا تھا جو یونیورسٹی سائز کا تھا بعد طباعت اس کا ایک ایک نسخہ اس زمانہ کے جملہ علمائے ملت اسلامیہ کو دیگر مشاہیر ناقدین کے پاس ریاست و بیرون ریاست یعنی

(برٹش انڈیا) بھجوا یا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جو اس وقت بقید حیات تھے اور جو علمائے متاخرین اقلیم ہند میں ایک نمایاں مقام کے حامل تھے اور جنہوں نے مذہب تھا اور جاؤہ استقامت فی الدین سے سرسوخش نہیں کھائی اور کسی صورت اور کسی قیمت پر بھی قوم پرستی یا سیاسی مسلک کو اختیار نہیں کیا بلکہ سب میں رہ کر پھر سب سے جدا رہ کر للہیت کے مسلک کو اپنایا۔ چنانچہ مولانا نے اپنے ایک خط میں حسب ذیل الفاظ میں حضرت قبلہ کو اس طرح مخاطب فرمایا

مولانا محترم!

السلام وعلیکم

آپ کے مرسلہ نسخہ نور النور کو میں نے بالاسعیاب دیکھا۔ مسئلہ جبر و قدر کو جس شرح و سبط سے آپ نے قلمبند فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس مسئلے نے مجھ کو قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا تھا۔ آخر شش اس خصوص میں اپنا مسلک ابھوما ابھام اللہ رکھا۔

فجزاک اللہ

ولسلام۔ مع الکرام

شرح دستخط

(مولانا) اشرف علی

نوٹ: یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ مولانا کی صداقت اور بے نفسی کی بین دلیل یہی کافی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اپنے خصوص نقص کو ظاہر کرتے ہوئے حقیقی مسلک کی تصدیق کرتے ہوئے حضرت قبلہ کو مولانا محترم کے الفاظ سے مخاطب فرمایا۔ یہ بات ان کی بے نفسی اور للہیت پر دلالت کرتی ہے۔ لا یعرف الولی الا الولی

مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کا ریویو برنسخہ نور السنور :

مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی جو ہفتہ اخبار صدق (سچ) کے ایڈیٹر ہیں اور تنقید و تبصرہ میں کسی طرح کی روورعایت نہیں کرتے۔ یوں تحریر فرماتے ہیں

ریویو : نورالنور از جناب غوثی شاہ صاحب قادری چشتی

۹۶ صفحہ تقطیع (۲۲+۱۸) اخبار سچ

مورخہ ۱۵ ارشوال ۱۳۳۶ھ

اہل تصوف کے ہاں وحدۃ الوجود کا مسئلہ ایک بڑا اہم و معرکتہ الآراء مسئلہ ہے جو عربی و فارسی سے قطع نظر کر کے اردو میں اس کی تشریح میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

پیش نظر رسالہ اردو کے اس سارے دفتر میں ایک مرتبہ امتیاز رکھتا ہے۔ سرزمین دکن میں اس وقت ایک مشہور وجودی درویش شاہ کمال اللہ عرف مچھلی والے شاہ صاحب ہیں ان کا سلسلہ فیض ماشاء اللہ بہت وسیع ہے۔ حضرت مصنف اسی خرمین کمال کے خوشہ چین ہیں۔ یعنی آپ کے خلیفہ (اور اب انھیں حضرت کمال کے جانشین ہیں، رسالہ میں شروع سے آخر تک اس کی پوری کوشش نمایاں ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو پتھر کو پانی کر کے بہایا جائے اور مسئلہ کی ہر گتھی کو ایک دلچسپ اور دلنشین پیرایہ ادا سے نبھادیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں پوری کامیابی محال ہے جو مطالب ہی نقطہ و عبارت کی گرفت سے باہر ہوں۔ انھیں کوئی کہاں تک آسان بنا سکتا ہے۔

ہو غم ہی جانہ گداز تو غمخوار کیا کریں

تاہم مصنف کی کوشش بہر صورت قابل داد اور لائق داد ہے۔ کتاب کے بعض ٹکڑے صاف و شگفتہ ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ شریعت ظاہری کا دامن بھی کہیں سے نہ جانے پایا ہے اور یہ کوشش بالعموم کامیاب رہی ہے۔

بزئس پر ملا سیف الدین کے بھائی سے مکالمے :

جو اسماعیلی بہوروں کے مرشد تھے ان کے ایک بھائی گجرات کے سفر میں حضرت قبلہ کے ساتھ ایک ہی ریل کے سکٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں ہمسفر تھے۔ انہوں نے حضرت قبلہ کے سیدھے سادھے لباس کو دیکھ کر سمجھا کہ شاید کوئی تاجر ہوں گے۔ (کیونکہ اس وقت حضرت قبلہ سفید تہ بند سفید جبہ اور سفید گول ٹوپی میں ملبوس تھے) بناءً علیہ انہوں نے حضرت قبلہ سے پوچھا کہ آپ کیا کاروبار کرتے ہیں تو حضرت قبلہ نے فرمایا میں آدمیوں کا بزئس کرتا ہوں اس پر وہ بولے کہ فی زمانہ بردہ فروشی قانوناً ممنوع ہے تو جواب دیا کہ ہمارے پاس اس کاروبار کا لائسنس ہے جس کی بناءً پر قانون مجھ پر لاگو نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا لائسنس کس نوعیت کا ہے تو فرمایا کہ میں شیخ طریقت ہوں (یعنی مرشد) میں اللہ کے بندوں کے جسم و قلب و روح کو اللہ کے لئے خریدتا ہوں اور اللہ و رسول سے ان کا رشتہ و تعلق جوڑتا ہوں۔ خود رسیدہ کو خدا رسیدہ، خلق رسیدہ کو اس کے خالق تک پہنچاتا ہوں۔ اس پر بھی وہ بہت متحیر اور متعجب اور بادب ہو کر حضرت قبلہ سے مختلف مسائل و عنوانات پر بیان کو سنتے رہے اور بے حد متاثر رہے اور اپنے وطن پہنچ کر اپنے بھائی ملا سیف الدین صاحب سے اس ملاقات کا تذکرہ بھی کیا۔ چنانچہ ملا سیف الدین صاحب نے ایک خط میں حضرت قبلہ سے ملنے کا اشتیاق بھی ظاہر کیا تھا

نواب مقصود جنگ (حکیم مقصود علی خان صاحب) کا دوسرا

واقعہ اور اس کے تاثرات:

نواب صاحب موصوف اس زمانہ میں نظام حیدر آباد کی حکومت میں ناظم طبابت یونانی کی خدمات مامور و کار گزار تھے ایک بار حضرت قبلہ کے دولت کدہ پر ایسے وقت حاضر ہوئے جب حضرت قبلہ اپنے مریدین و متبعین کو کلمہ طیبہ کی تشریح و توضیح کے ساتھ افہام و تفہیم فرما رہے تھے چنانچہ نواب صاحب موصوف نے اس تمام بیان کو جو محققانہ انداز میں ہو رہا تھا۔ سماعت فرمایا اور بے حد متاثر ہوئے اور مجلس برخواست ہونے کے بعد جب اپنی موٹر میں سوار ہو کر

ہمارے ایک پیر بھائی مولوی عبدالقدیر خان صاحب (جنواب صاحب کے ہمراہ ملاقات کرنے حاضر ہوئے تھے) سے فرمانے لگے کہ ایسا عالمانہ اور محققانہ بیان تو اہل علم اور محققین حضرات کی مجلس میں ہونا چاہئے تھا بھلا ایسے معمولی لوگ اس کو کیا سمجھ سکیں گے اس پر عبدالقدیر خان صاحب نے جواب دیا کہ جناب نواب صاحب معاف فرمائے گا اگر میں یہ کہوں کہ اگر کچھ سمجھا اور استفادہ کیا تو انھیں معمولی اور کم علم لوگوں نے کیا ہے اور سمجھا ہے آپ تو صرف اسلوب بیان سے ہی لطف ہو کر ایسا کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ کی فہم میں اس کا کوئی مضمون ابھی بیٹھا ہی نہیں اگر حقیقتاً اس کا فہم آپ کے دلشین ہوتا تو آپ اس اجتماع سے اٹھنا بھی گوارا نہ فرماتے بلکہ حاضرین مجلس کی طرح وہاں ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ کر سنتے رہتے، اس پر نواب صاحب متعجب ہوئے اور قائل و معقول ہوئے اور اکثر اس واقعہ کو اپنے احباب میں مشاہدۃ بیان فرماتے۔ انھیں مقصود جنگ بہادر کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ

دوسرا واقعہ :

بتقریب عرس حضرت شاہ کمال اللہ عرف مچھلی والے شاہ صاحب بمقام مسجد ٹھکی جیل الہی چمن واقع کاچی گورہ ملکہ حیدر آباد فرخندہ بنیاد بعد نماز عشاء حضرت قبلہ کا وعظ تھا۔ دعوت نامہ جات حسب معمول جمع علماء و مشائخین اور دیگر عہدیداران ریاست کے نام جاری کئے گئے چنانچہ نواب صاحب موصوف کو بھی رقعہ پہنچا اور انہوں نے عرس شریف اور جلسہ وعظ میں شرکت کا تہیہ کر کے حاضر ہوئے۔ حضرت قبلہ کا وعظ بعنوان ”ولایت قرب“ جاری تھا۔ بدوران تقریر آیات قرآنی

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ

کی تشریح کرتے ہوئے ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا کہ وَإِذَا سَأَلَكَ جَوَابِ خود مولیٰ تعالیٰ فَإِنِّي قَرِيبٌ کر کے دیتے ہیں اس کا منشاء یہ ہے کہ اپنے طالبین کی خاطر اس قدر ملحوظ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قل کہہ کر فانی قریب کا جواب دینے کا بھی وقفہ نہیں دیتے بلکہ

خود ہی جواب میں فانی قریب کہہ کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اس نکتہ پر نواب صاحب اس قدر متاثر اور متکلیف ہوئے کہ تقریر ختم ہونے کے بعد حضور سے آخر عرض کر دیا کہ جس انداز سے آیت مذکور کی تفسیر فرمائی گئی ہے۔ میری آنکھوں نے نہ ایسا مفہوم کو کہیں دیکھا اور نہ ایسے معانی کو میں نے سنا۔ واقعی اہل تحقیق اور ناقدین میں بین فرق محسوس ہوتا ہے کہ اہل حق جوں کا توں مفہوم ظاہر فرماتے ہیں اور بطور خود کوئی تاویل یا تعبیر نہیں فرماتے۔

لیکن ناقد و علماء اس میں من مانی تاویل کر جاتے ہیں پھر آپ نے فانی قریب میں خائے تجملی کا بیان تو اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام کر دیا۔ یعنی جلد ہی قریب ہونے کو بتا دیا اور تصدیق کی گنجائش بھی باقی نہ رہی۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ قریب و ولایت دونوں لازم و ملزوم ہیں جس کسی نے ضرب علم کا استفادہ کبھی نہیں کیا وہ ولایت کے مراتب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

مولانا عبد القدیر صاحب حسرت سے عینیت و غیرت پر مکالمہ :

صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد مولوی عبد القدیر صاحب سے بہ دوران گفتگو عینیت و غیرت اور اس کے اصول کا تذکرہ ہوا۔ انہوں نے عینیت کے غلبہ حال سے مغلوب ہو کر غیرت کے اعتبار کو بالکل ملحوظ نہ رکھا اور ان پر اس گفتگو کے تاثر سے ذوق و مستی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت قبلہ نے شاہ کمال الدین صاحب دیوان مخزن العرفان کا ایک شعر پڑھا

جو بولا عینیت خالی تو اس کے حال میں ہے نقص

جو بولا غیرت خالی تو اس کے قال میں ہے نقص

مولانا نے موصوف یہ شعر سنتے ہی محویت سے صحویت کے مقام پر آ گئے کیونکہ لا الہ الا

اللہ میں عینیت ہے مگر محمدؐ رالہ رسول اللہؐ میں غیرت کا پہلو کیسے نظر انداز ہو سکتا ہے۔

خسر نواب ظہیر جنگ سے دلچسپ گفتگو:

نواب صاحب کے خسر جن کا نام یاد نہیں رہا خود ایک صاحب دل بزرگ تھے ان سے

برسرِ راہ حضرت قبلہ کی عثمان گنج کے پاس ملاقات ہو گئی انہوں نے حضرت قبلہ کو مشائخانہ لباس میں ملبوس دیکھ کر بے تکلفانہ انداز میں سوال کر ہی ڈالا جب میں اول ہوں اور نہ آخر۔ نہ ظاہر ہوں نہ باطن تو میں نماز پڑھوں تو کس کی؟ میں تو کسی صورت یا کسی حال ہوں ہی نہیں تو پھر عبادت کروں تو کس کی؟

حضرت قبلہ نے فی البدیہہ فرمایا کہ جب تک آپ کے اندر یہ تخیل ہے کہ ”میں کس کی نماز پڑھوں“ آپ برابر اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھنے کیلئے مکلف ہیں کیونکہ ابھی غیریت کا شعور اندر موجود ہے۔ پس نماز ضرورت پڑھتے رہئے اور جب یہ شعور باقی نہ رہے تو مست و مدہوش دیوانہ ہے، مجذوب محض ہوتا ہے اور دیوانہ مرقع القلم ہے وہ شرعی قیود سے آزاد رہتا ہے۔ اس پر وہ بزرگ اس قدر محضوظ اور مسرور ہوئے کہ وہیں گنج سے قریب ہوٹل کو اپنے ساتھ حضرت قبلہ کو لے گئے اور ہوٹل والے کو آڑ دیا کہ ان حضرت کو خوب دودھ پلاؤ۔ انہوں نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا کہ ایک دیرینہ علمی خلش میرے اندر سے دور کر دیا (واضح باد تحقیق کی رو سے علم کا تمثیل عموماً دودھ سے تعبیر کیا جاتا ہے) لہذا ان بزرگ نے ہل جزا احسان، لا الا احسان کے امتثال امر میں علم حاصل کر کے دودھ کو اس کے بدلے میں پلایا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب حسرت صدیقی کے پاس بھی حاضر ہوا تھا اور اس خلش کو رفع کرنا چاہا۔ انہوں نے بھی میرے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے یہی فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ بھلا میں آپ کی خلش کا ازالہ کیا کر سکتا ہوں۔ میاں میں آپ کا بیحد ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے میرے مرض کا بہترین علاج بتلا دیا۔

فجزاك الله في الدارين خيرا

شیخ اکبرؒ کے ایک مسئلہ پر مولوی نظام الدین صاحب

جھجری کا ایک سوال :

جو مکہ مسجد میں سرکاری واعظ بھی تھے انہوں نے ایک بار حضرت قبلہ سے پوچھا کہ شیخ اکبرؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ہر کافر مرتے وقت غیب پر ایمان لاتا ہے لہذا مومن اور غیر مومن من از روئے خاتمہ کوئی فرق ہی باقی نہیں رہتا۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ مومن پہلے سے ایمان بالغیب کا قائل رہتا ہے جو مرتے وقت ایمان بالمشاہدہ ہو جاتا ہے لیکن کافر شروع ہی سے ایمان بالغیب نہیں رکھتا۔ اس کو جب غیب کے عالم کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس کو عدم ایمان کے باعث کف افسوس ملتا پڑتا ہے اور اس وقت کا ایمان بالمشاہدہ لانا معتبر نہیں ہوتا۔ لہذا یہ قول بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ مرتے وقت کا ایمان لانا عبث ہی ہوتا ہے اور ایسا ایمان عند اللہ مقبول نہیں بلکہ ایسے ایمان پر وعید آئی ہے۔

حضرت شیخ اکبرؒ کے ایک مسئلہ پر صوفی عبد القادر صاحب

سے سوال و جواب

حضرت شیخ اکبر رحمی الدین ابن عربی کے اس قول کو جو فصوص الحکم میں آیا ہے کہ مَا تَفِرُّ عَوْنَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت شیخ اکبر کا یہ قول کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ پھر بھلا ان کے علوم ہمارے لئے کیونکر ہدایت کا موجب بن سکیں گے اس پر اس قول کی تصحیح و اصلاح کرتے ہوئے حضرت قبلہ نے فرمایا ایسا نہیں بلکہ اصل قول یوں ہے فَقَبْضَةُ طَاهِرًا مُطَهَّرًا یعنی قبض کیا فرعون کی جان کو اسے پاک کر کے۔ چونکہ مرتے وقت فرعون ایمان لایا جیسا کہ از روئے قرآن پاک ارشاد ہوتا ہے اَلَا نَفَقَدَ عَصِيَّتَ هُوَ قَبْلَ ظَاهِرَ کیا گیا ہے۔ اس میں نفی ایمان نہیں ہے۔ انہوں نے کشف صحیح سے اس کو بتلایا ہے اور چونکہ کشف ہمارے لئے لائق حجت اور قابل اتباع نہیں ہے اور وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہ کریں چنانچہ اس خصوص میں مولانا اشرف علی تھانوی اغتراب (نفی) اور اقتراب (اثبات)

کے عنوان پر ایک مضمون بھی لکھا ہے جس سے اس قول کی مزید وضاحت حاصل ہو گئی ہے۔

وجود اور ذات سید محمد علی کاظمی تعلقدار سے مباحثہ :

سید محمد علی صاحب سیلو بیلین برادر مولوی شطاری صاحب کامل ساکن اتالیق منزل چنچل گوڑہ حیدر آباد نے پہلے بڑی شان سے تعلقدار (کلکٹر) کی خدمات انجام دئے۔ بعد میں درویشی کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ صاحب موصوف صوفی عبدالقادر صاحب کے بیحد معتقد تھے جو ”وجود ایک ذات ایک“ کے مسلک کے قائل تھے۔ چنانچہ وہ اکثر ہمارے دادا پیر المعروف بہ شاہ کمال اللہ عرف مچھلی والے شاہ صاحب کے پاس الہی چن کچی گوڑہ غنبر پیٹ روڈ اکثر آتے جاتے رہتے تھے اور چونکہ حضرت موصوف ”وجود ایک ذات دو“ کے مسلک کا قائل اور متکلم بھی تھے۔ ایک دن وہ (تعلقدار صاحب) بیٹھے ہوئے حضرت موصوف سے کج بحثی کر رہے تھے کہ حضرت قبلہ (غوثی شاہ صاحب) بھی وہاں حاضر ہوئے لہذا انکو دیکھ کر فوراً تعلقدار صاحب بول اُٹھے۔ اب بولونا۔ آیا رے میرا شیر اُہاں میرے شیر لینا ان حضرت (مچھلی والے) کی خبر۔ حضرت مرشدی نے آہستہ سے نرم لہجہ میں فرمایا ”میں یہاں پر کچھ بولنے کے لئے نہیں بلکہ کچھ سننے اور سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر صاحب موصوف خاموش ہو گئے۔ آخرش حضرت مچھلی والے شاہ صاحب نے فرمایا بیشک وہ آفتاب ہیں لیکن ذرہ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کی تو وہی مثل ہے

وارد ہزار درو صدق دم نمی زند یک بیضہ مرغ دار دو فریادی کنند وہ صاحب کمال ہو کر بھی بے کمال بن کر بیٹھے ہیں وہ دُر بے بہا کے مانند آب و تاب رکھتے ہیں لیکن کسی طرح کا دم دعویٰ نہیں کرتے اور آپ ہیں کہ کچھ کمال نہ رکھ کر بھی اپنی معلومات کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ آپ تو اس مرغی کے مانند ہیں کہ ایک انڈا دے کر چیخ چیخ کر سارے گھر کو سر پر اٹھا لیتی ہے اس پر تعلقدار صاحب برہم ہو کر بولے کہ ”ایک وجود ذات دو“ والا مشرک ہوتا ہے تو حضرت شاہ کمال اللہ نے فرمایا کہ ایسا مسلک رکھنے والا ہی درحقیقت

موجود ہوتا ہے۔ میری تو دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ایسا مشرک بنا دے تاکہ کم از کم ایمان سلامت رہ کر نجات کا راستہ تو ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ اسلام کی اساس کلمہ طیبہ ہے جس میں اللہ کی الوہیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی دعوت دی گئی ہے جس کے قائل ہونے سے وجود سے یکتائی کا عقیدہ اور ذات میں دوئی یعنی غیریت کا عقیدہ حاصل ہوتا ہے اس لئے قائل کلمہ طیبہ کو کم از کم نجات سے استفادہ ہو سکتا ہے محض وجود میں یکتائی مانکر ذات میں دوئی نہ مانکر کفر والحاد کے عقیدہ کی طرف لے جاتا ہے یہ سن کر تعلقدار موصوف اٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔

انھیں تعلقدار صاحب سے مندرجہ بالا واقعہ کے بعد ایک جگہ حضرت قبلہ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا آپ نے بھی کیا غلط اقدام کیا کہ آپ مچھلی والے شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی وہ تو ایک وجود ذات دو کے قائل ہیں جس سے غیریت ثابت ہوتی ہے۔ عینیت اور توحید کا تو اس مسلک میں نام و نشان بھی نہیں۔ جب غیریت پائی گئی تو عینیت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے اس پر حضرت قبلہ نے فوراً فرمایا۔ ایسی غیریت کو تو خود حق تعالیٰ نے اسلام کے دعوتی کلمہ میں بیان فرمائی ہے۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین تک اسی کلمہ طیبہ کو پیش کیا جاتا رہا اور حضور خاتم النبیین ﷺ پر اس دعوت کا اہتمام فرما کر لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد الرسول اللہ کے جز کو شامل کر کے تاقیامت اس کی دعوت کو جاری رکھا گیا پہلے جز لا الہ الا اللہ ہی میں اسم وصفی اللہ کی حیثیت سے تسلیم کرنے اور دوسرے جز محمد الرسول اللہ میں ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم وصفی رسول کی حیثیت سے ماننے کی دعوت دی گئی ہے وجود جو ذات واجب لوجود (حق تعالیٰ) کی حیثیت ہے وہ دونوں جز میں ایک ہے۔ پس اس طرح بنیادی کلمہ ہی سے وجود ایک ذات دو کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو بالکل صحیح اور حق ہے۔ کیا آپ وصف الوہیت کی نفی کے ساتھ وصف رسالت کی نفی پر بھی آمادہ ہوں گے۔ یہ سنتے ہی تعلقدار صاحب موصوف جو کثرت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے تھے بول اٹھے کہ بھلا

یہ کیسا ہو سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا جائے۔ رسالت ہی کے ذریعہ سے توحید و ایمان ہاتھ آیا۔ جس سے نجات و درجات پا کر ہی مسلم و مومن ابد الآبائ تک عیش و سرور سرمدی کے مقام (جنت) میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس دن سے انہوں نے وجود ایک ذات ایک کے عقیدہ سے توبہ کی اور صحیح مسلک پر قائم ہو گئے۔

ہدایت محی الدین صاحب ناظم دار القضاء:

ہدایت محی الدین صاحب جو درگاہ حضرت معروف علی شاہ صاحبؒ کے سجادہ نشین بھی تھے۔ ہر سال ۲۱ رمضان المبارک (یوم شہادت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ) کو فاتحہ خوانی، جلسہ، وعظ اور قوالی کی مجلس منعقد ہوتی تھی اس میں ایک بار حضرت قبلہ بھی مدعو تھے۔ اس وقت علی بخش قوال صوفی عبدالقادر صاحب کی غزل جس کا مطلع ”کلا اہم ازل زیر پائیم ابد“ تھا گا رہا تھا۔ سامعین پر کیفیت طاری تھی۔ حضرت قبلہ اس مجلس سے اٹھ کر گھر تشریف لائے اور حسب ذیل مطلع کی غزل اسی بحر وزن میں لکھ ڈالی جس کا مصرعہ اولیٰ یہ ہے

منم ذات قل هو اللہ احد

اس غزل کو لکھ کر صوفی عبدالقادر کے پاس روانہ کی، اس کے کچھ دنوں بعد صوفی عبدالقادر صاحب سے ایک جگہ تقریب کے موقع پر ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت قبلہ سے شکوہ کیا کہ اگر میں کوئی نظم یا اشعار کہتا ہوں تو اس پر الحاد کا فتویٰ صادر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ نے صاف طور پر اپنی فرستادہ غزل کے مطلع کے مصرعہ اولیٰ میں ”منم ذات قل هو اللہ احد“ لکھ کر خود کو خدا ہی ٹھہرا دیا۔ یہ توحید کیوں کر ہو سکتی ہے تو حضرت قبلہ نے جواب فرمایا کہ میں محقق ہوں اور آپ نے کتابی طور پر مقلد بن کر ایسی توحید بیان کرنی شروع کر دی ہے جس میں حفظ مراتب کا اعتبار بالکل اور کلیتہً ساقط ہو جاتا ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد گر حفظ مراتب نہ کئی زندیقی

سوال کیجئے تو انہوں نے کہاں کہ آپ نے کل تقریر میں ”انا الحق“ کو کلمہ حق کہا ہے جو قطعی اور صریح کفر ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ بھلا آپ نے کسی سے بیعت بھی کی ہے تو علامہ موصوف برہم ہو کر کہنے لگے کہ میں نے بیعت و بیعت نہیں کی ہے بلکہ میں اس کو عبث سمجھتا ہوں تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ بس آپ کو اس خصوص میں سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر بھی آپ کی تشفی کے لئے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ مسلمان اگر انا الحق بولا تو قطعاً کفر ہے لیکن اگر محقق ”انا الحق“ کہے تو وہ عین توحید ہے۔ توحید فعلی کو ملحوظ رکھ کر کلام کرنا چاہئے۔ اگر نسبت کو اقتدار سے بدل کر کلام کیا تو ہی لغزش ہوگی۔ اگر کوئی محقق بندہ جو ابیان کافی کا مصداق ہو۔ اپنا کلام نسبت کو ملحوظ رکھ کر اپنے منہ سے نکالے تو یہ اس کا حقیقی کلام نہیں ہو سکتا جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

من نمی گویم انا الحق یا میگو ید بگو چوں نمی گویم مراد لدار میگوید بگو
یہ سن کر علامہ رئیس المناظرین بلا کسی اذوقہ کے خاموش ہو گئے۔

ظاہر کو دیکھ کر باطن کا پتہ چلانا: حضرت قبلہ کی دولت کدہ ”بیت النور“ کے بیرونی برآمدہ میں چھت کے قریب دیوار میں کسی قدر شکاف پڑ گیا تھا ایک عقیدہ مند تعمیرات کے اور سیر صاحب نے اس کو دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پایہ کمزور رہ گیا ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں ہے۔ اس پر اور سیر صاحب نے فنی دلائل پیش کرتے ہوئے واقعہ کو صحیح ثابت کیا۔ لہذا واقعہ مذکورہ کو بنیاد بناتے ہوئے تمبرۃ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ حطرح او پر کو نیچے کے نقص یا خوبی کا اندازہ صحیح طور پر اس کے ماہرین فن قائم کر لیتے ہیں اسی طرح اہل حق اور کاملین ظاہر کو دیکھ کر باطن کا بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں اور اس کے مطابق صحیح حکم لگاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ شاہ کمال صاحب اپنے دیوان مخزن العرفان میں فرماتے ہیں۔

معرفت کے مگر کے حرافاں دم میں کھوٹا کھرا پرکھتے ہیں
اور حضرت مولانا روم بھی اپنی مثنوی میں اسی طرف ایک لطیف پیرایہ میں توجہ دلاتے ہیں

نور حق ظاہر نود اندرونی نیک بین بائی اگر اہل دلی مولانا حمید الدین صاحب دیوبندی :

نظام آباد کے دورہ کے زمانے میں وہاں کے جمیعت العلماء کے صدر مولوی حمید الدین صاحب فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند نے امرمباح کے سلسلے میں انہوں نے کچھ گفتگو کا آغاز کی۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ مرتب کیا گیا تو حضور انور ﷺ کے ایماء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو مرتب فرمایا۔ اس کے عنوان پر سب سے پہلے مِنْ مُحَمَّدٍ الرَّسُولُ اللہ تحریر کیا جس پر کفار مکہ نے اعتراض کیا۔ اس تحریر میں سے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیا جائے اور اس کیلئے انہوں نے بار بار اصرار کیا۔ آخرش حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ”رسول اللہ“ کے لفظ مٹا دیا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ازراہ ادب اسی لفظ کو مٹانے کی جرأت نہ فرمائی۔ گو امر رسول کے مقابلے میں یہ امر مباح کہلائے گا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ، باوجود اس کے کہ ”الامر فوق الادب“ کے اس فعل کو جائز رکھا اور مٹانے کی جرأت نہ کی۔ آخر کار حضور انور ﷺ نے معاہدہ مذکور اپنے ہاتھ میں لے کر لفظ محمد ر ل اللہ کو مٹا کر اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھوا دیا۔ اس معلوم ہوا کہ بعض اوقات سنت کے مقابلہ میں ادب امر مباح کو اہمیت دینی پڑتی ہے چنانچہ مولانا نے موصوف یہ سن کر بالکل ساکت و خاموش ہو گئے۔

دوسرا واقعہ :

مولوی عبدالقیوم صاحب وکیل ہائیکورٹ نے (جو حضرت آغا باؤ صاحب کے مرید و معتقد) ایک بار بہ دران ملاقات انہوں نے فرمایا کہ آپ جیسے صوفیوں کے پاس بجز ایک آیت ہویت کے کوئی حربہ تصوف کے اثبات کے لئے ہے ہی نہیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے فی البدیہہ فرمایا کہ اللہ احد (ایک) دیکتا ہے۔ اس کی بات بھی ایک ہی ہے جس کے ذریعہ اپنی ذات کا راز فاش فرمایا ہے۔ پھر بھلا ہم صوفی لوگ اس ایک بات کو لے کر تصوف کا علم سیکھنے کی عوت نہ یں تو بھلا ایسی عوت یںے کیلئے کون سی دسری آیت لائی جائے اس پر وکیل

صاحب موصوف خفیف اور خاموش ہو گئے۔

مولوی عبدالهادی صاحب واعظ سرکاری :

اکثر ایسا اتفاق ہوا کرتا کہ مولوی صاحب موصوف اور حضرت قبلہ کا ایک جگہ وعظ مقرر ہوتا اور حضرت قبلہ کے وعظ کے وران وہ عظ سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے اور حضرت قبلہ کی تقریر کے بعد خو جب تقریر کرتے تو تبصرۃ ہر وقتا پر کا موازنہ قائم کرتے ہوئے فرماتے کہ میری تقریر جسم کی حیثیت رکھتی ہے۔ رآں حالیکہ حضرت غوثی شاہ صاحب کی تقریر روح کے مانند ہے۔ اگر جسم میں روح نہ ہو تو وہ مرہ کے مانند ہے اور پھر مزید وضاحت فرماتے ہوئے بیان فرماتے کہ ہماری تقریر محمدی کے عقائد و احکام کی توضیح تک محدود رہتی ہے لیکن غوثی شاہ صاحب کے تقریر عقائد و احکام کی حقیقت و حکمت کو واضح فرماتی ہے جس کو ین کی حقیقی روح کہنا زیاہ موزوں ہوگا۔ بالفاظ دیگر شریعت کا باطن طریقت ہے جس میں ہر مسئلہ کی ملت نمائی اور اس کی حقیقت و معرفت کا علم و اراک حاصل ہوتا ہے جس سے قلب و روح کو سکنت حاصل ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ پیر محمد حسین صاحب قبلہ :

ایک بار حضرت موصوف مولانا سید سلیمان ندوی کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں ابلاغ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ واپسی کے بعد وہاں سے راست حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا فرمانے لگے کہ آج میں نے ایک بڑے مولوی صاحب کو تو حید حقیقی کی تبلیغ کی ہے تو حضرت قبلہ نے سن کر کہا کہ آپ سے کوئی کہے کہ نہ آپ یہودی ہیں نہ نصرانی بلکہ آپ سچے اور پکے مسلمان یعنی مسلم خفیف ہیں تو آپ پر اس کا کیا اثر مرتب ہوگا اور کیا احساس پیدا ہوگا پھر قدرے توقف کے بعد حضرت قبلہ نے حسب ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

مَلَاكًا اِبْرَاهِيْمَ يَهُودِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لَا اِكْنٰ كَانْ حَنِيفًا مُّسْلِمًا

(یعنی ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو صرف مسلم خفیف)

حضرت مولانا موصوف رقص کرنے لگے کہ بھائی قابل فخر تو سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ الحمد للہ میں مسلم حنیف ہوں اور بار بار اس کا ذوق لیتے رہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

دوران حج :

سال سنہ ہجری میں حضرت قبلہ اور شاہ محمد حسین صاحب قبلہ اور حضرت شیخ امجد شاہ کمال اللہ صاحب عرف مچھلی والے شاہ صاحب ایک ساتھ سفر حج میں بھی رہے اور حج و زیارت حرمین و شرفین میں باہم رفیق رہے۔ حرم شریف میں ہر سہ حضرات بیٹھے۔ حضرت شاہ محمد حسین صاحب قبلہ نے حضرت قبلہ کو مخاطب فرما کر کہا کہ بھائی میں یکتھا ہوں کہ آپ تو صرف حرم میں بیٹھے رہتے ہیں لیکن طواف وغیرہ بہت کم کرتے ہیں۔ حضور نے فی البدیہہ فرمایا کہ کعبۃ اللہ کا یکھنا عبادت اور نیکی ہے اور اس کو یکھنے سے واگنوں ثواب لوٹ لیتا ہوں۔ بھلا طواف کی زحمت کون اٹھائے۔ پھر ہمارے قبلہ و کعبہ (شاہ کمال اللہ) کے ہوتے ہوئے خانہ کعبہ کا ذکر ہی کیا ہے۔

کعبہ پیش کچھ ل کے مساوانے کنہ

آستان آں بو ابن خاص پائندہ جائے تو

ہمیں تو اپنے کعبہ ل کے طواف سے ہی فرصت نہیں ہے۔

میر حامد علی صاحب ناناب معتمد صنعت و حرفت :

صاحب موصوف اپنا قصہ بیان فرماتے کہ جب وہ کلکتہ میں مقیم تود وہاں ایک صاحب کشف بزرگ سے ملاقات ہوئی ان کے حلقہ ارات میں کئی اشخاص اخل اور ان کے مرید ان مریدین نے میر صاحب موصوف سے بھی ان بزرگوار کے مرید ہو جانے کے لئے کہا تود وہ بھی ان بزرگ کے موصوف کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے ل میں حقائق و معارف کے حصول کا مدعا لے کر ان کے صحبت میں بیٹھے تود وہ بزرگ انکی وار ات قلبی پر کشف کے ذریعہ مطلع ہو کر ان کا ہمارے یہاں حصہ نہیں ہے۔ راصل وجہ یہ کہ ان حضرت کے پاس

کشف کرامت اور خوارق عات تو لیکن حقائق و معارف کا علم نہ تھا۔ چنانچہ جب میر صاحب موصوف نے حضرت پیر و مرشد قبلہ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کی تو اس وقت انہوں نے اپنے گزشتہ ان تمام واقعات کو بیان کیا چنانچہ بلدہ حیدرآباد میں وقت محلہ چراغ علی گلی میں وہ رہتے اور وہاں سے پیدل چل کر چنچل گوڑہ بیت النور حاضر ہوا کرتے اور کتاب نور النور کا رس بھی حضرت قبلہ سے لیا کرتے۔ فقیر راقم الحروف سے بھی بعد وصال حضرت مرشدی و مولائی جب کبھی ملاقات ہوتی تو اس قسم کے مسائل پر باہم تجدید ایمان و عرفان کیا کرتے۔ صاحب موصوف کو ان علوم کا خصوصی ذوق و احساس تھا اور شغف بھی تھا۔

مال والے کی دیوڑھی کے مجذوب صاحب :

مجزوب صاحب کے پاس سے حضرت قبلہ اور شاہ محمد حسین صاحب قبلہ کا گذر ہوا۔ یہ مجذوب صاحب ہمیشہ سیکل کھولنے اور فٹ کرنے کا مشغلہ رکھا کرتے۔ ونوں بزرگوں نے ان مجذوب صاحب کے قریب آکر اراہ فرمایا کہ ان مجذوب صاحب کے مقام کا پتہ چلایا جائے جب ونوں حضرات وہاں پہنچے تو وہ اسی طرح سیکل فٹ کرنے میں مصروف۔ حضرت شاہ محمد حسین نے اپنے ل میں سوال کیا کہ حضرت مجذوب صاحب کیا آپ کے پاس کچھ کشف و کرامات بھی ہے تو مجذوب صاحب اس خطرہ پر مطلع ہو کر کہنے لگے کہ ہاں یہ ہمارے پاس بہت ہے۔ اس کے بعد حضرت قبلہ نے اسی طرح اپنے ل میں سوال کیا کہ آپ کو حقائق و معارف کے علوم سے بھی آگاہی ہے تو مجذوب صاحب فوراً بول اٹھے کہ یہ چیز ہمارے پاس نہیں اس طرح ان کے مقام کا پتہ چل گیا۔

نواب قادر نواز جنگ اور مہاراجہ کشن پرشاد کی ملاقات :

نواب صاحب موصوف اور سریمین السلطنت کشن پرشاد سے باغ عام میں نمائش کے موقع پر ایک جگہ ملاقات ہوئی۔ ونوں نے شیک بینڈ (مصافحہ) کیا اور نواب صاحب نے فرمایا کہ خدا خدا سے شیک بینڈ کر رہا ہے اس پر مہاراجہ نے نواب صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ

آپ کا عرفان تو بہت بلند و بالا معلوم ہوتا ہے۔ اس واقعہ کو قارئین جنگ بہاؤ نے حضرت قبلہ کے سامنے بیان کرتے ہوئے ۱ چاہی۔ تو حضرت قبلہ نے فوراً فرمایا کہ مہاراجہ نے تو یہ جملہ کہہ کر اپنے مقام سے نیچے گرا یا کیونکہ اگر عرفان میں کمی و بیشی ہو تو یہ بندوں کی نسبت ہے۔ انہوں نے تو خدائی کے مقام سے آپ کو اٹھا کر عبدیت کے مقام پر پھینک دیا۔ یعنی خدائی اعلیٰ مقام سے آپ کو عبدیت کے اسفل مقام پر گرا دیا۔ ایسے عرفان سے سوائے پستی اور قصر مذلت میں گرنے کے حاصل ہی کیا ہو سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ :

انھیں نواب صاحب کے پاس اکثر علماء و مشائخین محض یومیہ اور ماہوار وغیرہ کی اجرائی کی غرض سے آیا جایا کرتے کیونکہ نواب صاحب موصوف پیشی حضور بندگان عالی میر عثمان علیجان بہاؤ آصف سابع میں مامور و کار گزار۔ انھیں مشائخین میں ایک مشائخ شاہ غلام غوث صاحب کبل پوش بھی اسی زمانہ میں ان کے نام چالیس روپیہ ماہوار بطور یومیہ جاری و منظور ہوا تھا۔ قارئین جنگ چونکہ حضرت قبلہ کے پیر بھائی۔ نواب صاحب حضرت قبلہ سے ملاقات و استفادہ کے طالب رہا کرتے چنانچہ ایک بار اس خصوص میں نواب صاحب کے پاس تشریف فرما ہوئے تو تمام مشائخین نے حضرت قبلہ کو کھڑک مبارک بنا کر شروع کی تو حضرت قبلہ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا غلام غوث صاحب آپ ہی ہیں (قبل سلوک غلام غوث خان کے اسم گرامی سے موسوم لیکن خلافت و اجازت کے بعد سے غوث علی شاہ عرف غوثی شاہ کے نام سے موسوم ہوئے) جن کے نام پیشی خداوندی سے چالیس روپیہ یومیہ (ماہوار) منظور ہوا ہے۔ (واضح رہے کہ اس زمانہ میں اسی نام سے حضرت قبلہ مشہور) اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ خدا خواستہ مجھے کیوں یومیہ ہونے چلا اور اگر بالفرض ۴۰ روپیہ یومیہ اجزاء و منظور ہو تو مجھے ایسے یومیہ سے محروم ہی رہنا بہتر ہے کیونکہ میرے اور میرے متعلقین کافی الحال ماہانہ خرچ مبلغ ۲۰۰ یا ۳۰۰ روپیہ ماہانہ کم نہیں۔ بھلا ایسے قلیل

ماہوار میرا کونسا کام نکلے گا۔ ہو سکتا ہے اس نام کے کوئی دوسرے صاحب ہوں تو ہوں گے۔ دوسری بات ہے چنانچہ اجتماع میں منجملہ دیگر مشائخین کے حضرت شاہ محمد خان صاحب خوبہ پہاڑی والے بھی موجود تھے انہوں نے نواب قادر نواز جنگ بہادر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ حضرت (غوثی شاہ) تو نگل کے پہلوان ہیں اور ہم لوگوں کا تو وہی حال ہے کہ طائفہ ران ہر کوہ نشست کے مصداق ہیں۔ ان کا تو آپ کو بطور خاص خیال رکھنا چاہئے تھا اس پر قادر نواز جنگ نے کہا یہ حضرت ایک عرصہ سے میرے پاس آتے جاتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھولے سے بھی اشارۃً یا کنایۃً کسی قسم کی درخواست یا منشاء ظاہر نہیں کیا۔ پھر بھلا ہم خیال کریں تو کیوں کریں؟ اس پر شاہ محمد صاحب نے کہا ان کو بھلا اس کی کیا حاجت کہ آپ سے کچھ کہیں وہ متوکل علی اللہ ہیں۔ یہ تو آپ کا فریضہ ہے کہ آپ ایسے متوکلین کا بطور خاص خیال رکھیں۔ حضرت قبلہ نے وہیں فرمایا کہ بھلا اس کی حاجت ہی کیا ہے اللہ بس باقی ہوس

وَمَنْ يَتِيَّوْكَلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

ایک ہندو گیانی :

ایک ہندو گیانی سے بنگلور میں ملاقات ہوئی تو اس سے حضرت قبلہ نے فرمایا کہ وہ کون سے مارگ (سلوک) پر چلتا ہے آیا ویتی ہے یا ویتی؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں ”ا ویتی“ ہوں۔ پھر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ سنسار (مخلوقات) کی نسبت کا اعتبار ہے۔ تو اس نے مخلوق کی غیریت کو ”صرف ہی ہے“ کہہ کر مثال پیش کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ دیکھئے کچھ فاصلے پر ایک کھمبا کھڑا معلوم ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اندھیرے میں اس کھمبے پر ایک ایسا آمی کا گمان ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں تو وہ کھمبا ہی ہے۔ ٹھیک اسی طرح مخلوق جس کو دجو ہی نہیں ہے وہ حقیقت موجود ہی نہیں ہے بلکہ دجو حقیقی تو راسل پر ماتما ہی ہے اور مخلوق جو موجود نظر آتی ہے وہ تو صرف وہم ہی وہم ہے اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا

پھر اگر وہی کھمبا حقیقت میں چور ہی نکل آیا تو مہاراج بھلا بتاؤ تو سہی کہ اس وقت تمہاری وہی غیریت کیا نتیجہ پیدا کرے گی؟ یہی نہیں کہ چوری بھی ہوگی اور نقصان اٹھانا پڑے گا اور مفت میں لٹ جاؤ گے۔ اس تقریر کو سن کر وہ بہت خفیف ہوا اور سجدہ ریز ہو کر بولا کہ آپ مہا اتم گیلانی (عارف کامل) معلوم ہوتے ہیں۔

ایک انگریز :

ریل کے ایک سفر میں سکینڈ کلاس کپارٹمنٹ میں ایک انگریز بھی ہمسفر تھا سوتے وقت رات میں اس نے شراب کی بوتل نکال کر پی اور حضرت قبلہ سے کہنے لگا کہ ہم لوگ نیند اور سکون کے لئے شراب استعمال کرتے ہیں تاکہ شراب پی کر سکون کی نیند آجائے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ہمارے Prophet پیغمبر نے ہم کو سوتے وقت کی ایک عاسکھائی ہے جس کو سوتے وقت پڑھ کر ہم چین کی نیند سو جاتے ہیں۔ اس نے اس عا کی عبارت ریافت کی تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَاَحْيٰ

(یعنی: اے اللہ تعالیٰ میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں) بھلا بتاؤ تو سہی جس کسی کا روزانہ یہی معمول ہو جائے کہ سونے اور جاگنے کو مرنے اور زندہ ہونے کے مانند سمجھتا ہو اور جو اللہ کے نام سے مرتا اور اسی کے نام سے زندہ ہو تو بھلا اس شخص کو سکون اور اطمینان نہ نصیب ہوگا تو اور کس کو ہو سکتا ہے بلکہ اس کا پوچھنا ہی کیا۔ اس گفتگو سے وہ انگریز بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ بیشک موت اور زیست کے بکھیزوں سے صرف خدا کے نام کے ساتھ ہی سکون و نجات حاصل ہو سکی۔

ایک وہابی اور غیر مقلد :

مقلد کے قیام کے زمانے میں ایک وہابی (غیر مقلد) بدوران گفتگو ال کیا کہ جب حق تعالیٰ ارحم الراحمین ہے تو پھر (نعوذ باللہ) حضور کی شفاعت کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اللہ رزاق ہے اور خالق ہے۔ لہذا آج سے آپ کو کھانا حرام اور جو رو کے پاس جانا حرام ہے اللہ راست آپ کو کھلائے گا اور اولاد پیدا کرے گا۔ اس پر اس نے کہا کہ یہ سب چیزیں ذریعہ اور وسیلہ ہیں تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ جو شفیع المذنبین ہیں تو وہ اس ارحم الراحمین یعنی حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور ا لئے آپ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے پس ارحم الراحمین کی رحمت بصورت رحمۃ اللعالمین وسیلہ بن کر شفاعت کرے گی جس کے آنحضرت ﷺ مازون (اجازت یافتہ) اور مامور ہیں جیسا کہ نص قرآنی میں وار ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ یعنی کون ہے جو شفاعت کرے اور اس کے پاس مگر جو اس کے حکم سے مجاز کرانا گیا ہو اس کا۔ اس پر وہ شخص لا جواب ہو کر بالکل خاموش ہو گیا اور پھر عرض کیا کہ پھر شام میں پھر حاضر ہوتا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ ہی ہے لہذا کسی کا حاضر ہونا بھی شرک کے مترادف ہوگا اس پر وہ اور بھی خفیف ہوا۔

محبوب نگر کا وہابی:

جناب ابوسعید مرزا صاحب ضلع محبوب نگر میں سیشن جج کے عہدہ پر مامور و کار گزار ان کے پاس حضرت قبلہ بدوران و تبلیغی قیام فرما اتفاق سے اس زمانہ جج صاحب موصوف کے پاس ایک شخص محمد غوث سے ملنے کی غرض سے آیا جج صاحب موصوف نے اس کا حضرت قبلہ سے بایں الفاظ تعارف کرایا ”حضرت قبلہ! یہ شخص وہابی ہے۔“ حضرت قبلہ نے فرمایا نہیں صاحب یہ تو وہابی نہیں بلکہ اہل حدیث معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ شخص مذکور نے اعتراضاً کہا کہ میں وہابی نہیں بلکہ اہل حدیث ہوں۔ اس پر جج صاحب نے مکرر کہا کہ حضرت یہ وہابی ہے کیونکہ یہ شخص شفاعت کا منکر ہے۔ حضرت قبلہ نے اس سے پوچھا کہ کیا واقعی آپ شفاعت کے منکر ہیں تو انہوں نے کہا میں شفاعت کا منکر نہیں ہوں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ شفاعت کس کے لئے ہوگی کیا مومن کے لئے ہوگی یا غیر مومن کے لئے ہوگی۔ تو جواب

ہے کہ شفاعت ایسے ایمان والوں کے لئے ہوگی جو کبائر (بڑے گناہ) کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ پھر قرآن پاک کی آیت بھی ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

(یعنی جو زرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو اسکی جزائے خیر کیے گا اور جو زرہ برابر بدی

کرے گا وہ اس کی سزا کیے گا۔)

ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر شفاعت کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔

اس پر حضرت قبلہ نے کہا کہ بلا ایمان کے کوئی عمل عند اللہ مقبول ہی نہیں ہو سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ عمل کی مقبولیت کا مدار عقیدہ اور ایمان پر ہے اور ایمان و عقیدہ بغیر ذات رسالت مآب ﷺ ہرگز رست نہیں ہو سکتا۔ پس باعث ایمان حضرت رسالت مآب ﷺ ہی ہیں پس اگر ایمان کے باوجود عمل میں کوتاہی یا فروگزاشت ہو بھی جائے تو حضرت شفیع المذمبین ﷺ کی شفاعت اس کا ازالہ کرے گا۔ لہذا شفاعت کی ضرورت اسی لئے ہے اور کسی نہ کسی کو مجاز شفاعت گراں ضروری ہے۔

پس حضور انور ﷺ من اللہ ما ذون (اجازت یافتہ) اور شفاعت کی سندر رکھتے ہیں۔ اسی مذکورہ بالا شخص کا یہ بھی واقعہ ہے (جو اس کا خو بیان کر رہے) کہ وہ حضرت قبلہ کے مواعظ اور بیانات کو سن کر گھر جاتا اور اپنی کتابوں میں ان مضامین کو تلاش کرتا۔ مگر ان کتابوں میں اس قسم کا کوئی بیان نہ پاتا۔ آخر ش ایک ن وہ اپنی ساری کتابیں تانگہ میں لا کر حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے حیرت تو یہ ہے کہ آپ کا بیان سن کر گھر جاتا ہوں اور روزانہ ان کتابوں میں ان مضامین کو تلاش کرتا ہوں تو ان کا کہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ عقل سلیم آپ کے بیان کو کتاب و سنت کی روشنی میں تسلیم کرتی ہے تاہم میری کوشش یہی رہتی ہے مگر علمائے دین نے اس کو کس طرح بیان فرمایا ہے۔ مگر اس طرح کا اسلوب بیان کا ان کا تصانیف میں کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے حضرت مولانا روم کا

حسب ذیل شعر پڑھ یا ۔

صد کتاب و صد ورق رنارکن جان و ل راجانب لدارکن
اس کون کر انہوں نے بھی اعتراف کیا کہ محض کتابی طور پر ین کا کمال حاصل نہیں
ہو سکتا بلکہ اس کے لئے استا یا مربی کامل کی ضرورت ہے جو اپنے علم و تربیت کے فیضان سے
ین کی حقیقی روح عطا فرمائے۔

مولانا علامہ حافظ محمد اسمعیل صاحب پیارم پیشی:

جو سر حلقہ حدیث بھی ایک مرتبہ بمقام بنگلور حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے۔
حضرت قبلہ نے اِنْ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ کی آیت پڑھی حقیقت محمدی کی تفصیل و توضیح
کی۔ ان حقائق کو سن کر مولانا گنگ رہ گئے اور نہایت محظوظ ہوئے اور حضرت قبلہ کی بہت
تعریف کرنے لگے اس کے بعد مولانا کو فن تصوف کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہو گیا اور انہوں نے
تصوف کی کئی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ انھیں کتب میں مولانا عبد الرحمن صاحب لکھنوی کی تصنیف
”کلمۃ ا“ کا بھی مطالعہ کیا چونکہ اس کتاب میں عینیت محض کا بیان بلا امتیاز و اعتبار غیریت
مندرج ہے۔ بناء علیہ مولانا بھی عینیت محض کے قائل ہو گئے اور غیریت کی نسبت صرف
غیریت اعتباری کا عقیدہ رکھتے لگے اور بسا اوقات اپنی جماعت (اہل حدیث) میں عینیت محض
کے زعم میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو بیان فرمایا۔ اس پر ان کی جماعت والوں نے اپنے عقائد
سے برگشتہ ہونے کا الزام لگایا چنانچہ وہ مولانا کو جب ملحد و کافر کا خطاب دیتے تو مولانا ہنستے۔
اس واقعہ کو انہوں نے کسی دوسری ملاقات میں حضرت قبلہ سے عرض کیا تو حضور نے اپنی
”طبیات غوثی“ کی ایک غزل کا حسب ذیل شعر پڑھ یا

کہتے ہیں کافر مجھے مسلم تمام کہتے ہیں کہ مسلم کافر ہو گیا
جب مولانا مذکورہ بالا شعر سننا تو وجد کرنے لگے اور بار بار اس شعر کو پڑھ کر ذوق لینے
لگے پھر آخر میں پوچھا کہ حضرت یہ شعر کس کا ہے؟ تو حضرت قبلہ نے ”طبیات غوثی“ کا ایک

نسخہ رحمت فرما کر اس کا حوالہ بتایا۔ چنانچہ مولانا نے اسے خرید لیا اور اپنے ساتھ لئے گئے۔

تھیا سوفیکل سوسائٹی میں تقریر کی دعوت :

مسٹر حیدری جو وزیر فینانس انہوں نے حضرت قبلہ کو تھیا سوفیکل سوسائٹی واقع ہنومان ٹیکوئی حیدرآباد میں تقریر کرنے کی درخواست کی۔ ہم لوگوں مسز اینی بیسنٹ کی ساعت سوسائٹی میں مختلف مذاہب اور مکتب خیال کے اصحاب کی تقاریر اور لکچر کراتے ہیں۔ سوسائٹی مذکورہ کے اجتماعات میں ہر مذہب کے اہل علم حضرات اور تعلیم یافتہ طبقہ کے روشن خیال اصحاب شریک رہتے ہیں۔ ان حضرات کی مجلس میں آپ کی بھی تقریر ہو جائے تو ان لوگوں کو اسلام اور اس کے تصوف کی حقیقی اہمیت محسوس ہو سکی ہے۔ حضرت قبلہ نے کہا میں ایک بے لاگ مقرر ہوں۔ ممکن ہے کہ میرے بیان سے دوسروں کے خیالات متاثر ہو کر باہمی شکر رنجی کا باعث ہو جائے اور بجائے اصلاح کے تخریب کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اس پر مسٹر حیدری نے کہا مسز اینی بیسنٹ نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا ہے اور ہر مذہب کے زرین اور اہم اصولوں کو منتخب کر کے ایک نیا مکتب خیال قائم کیا ہے جس کو تھیا سوفزم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کا اہم مقصد یہ ہے کہ ہر مذہب و ملت کے جاننے والے اس کی تھیا سوفیکل سوسائٹی میں شریک و اخل ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ راجد رام موہن رائے (بنگالی) کی طرح برہمنو سماج کے مقابل میں اس سوسائٹی کو بھی تشکیل یا گیا ہے ان دنوں سوسائٹیوں کے ہال بھی ہنومان ٹیکوئی میں آئے سانسے واقع ہے۔ مسٹر حیدری نے یہ بھی کہا کہ یہاں ہر قسم کے مسلک اور مذہب والے مقررین کو دعوت دی جاتی ہے اور تمام شرکاء سوسائٹی نہایت سنجیدگی سے بیان و تقاریر سماعت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک تاریخ کا تعین کر کے حضرت قبلہ کو تاریخ مذکور پر تقریر کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا لیکن اس میں کوئی عنوان (Topic) مقرر نہیں کیا گیا جب حضرت قبلہ نے تقریر آغاز کی تو اسے قبل خود ہی اپنا عنوان ”عقل کی حقیقت“ قائم فرما کر بیان شروع کیا اور اس کی اس طرح توضیح فرماتے

ہوئے تقریر فرمائی کہ انسان کو فلسفی اور معقولی حضرات عقل کی بناء پر اشراف المخلوقات تسلیم کرتے ہیں لیکن عقل صرف مادی اشیاء سے جو اس کے تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہے انھیں سے بحث کرتی ہے۔ غیر مادی یا غیر مادی اشیاء کی نسبت چونکہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ اس کو حاصل نہیں ہوتا اس وجہ سے اپنی جیسی غیر مادی اشیاء مثلاً روح، خیال یا عشق اور اپنی حقیقت سے بالکل بے بہرہ رہتی ہے تا وقتیکہ ان سب اشیاء مادی و غیر مادی کا خالق حقیقی ان اشیاء کی حقیقت کا علم نہ عطا فرمائے وہ اپنی حقیقت سے واقف ہو سکی ہے اور نہ دیگر اشیاء مادی و غیر مادی ہی کی حقیقتوں سے واقف ہو سکی ہے۔ لہذا عقل جو پر تو صفت علم ہے جب تک علم (صحیح) سے بہرہ ورنہ ہو عقل تو کہلائے گی لیکن عقل سلیم نہیں کہلائی جا سکی۔ عقل سلیم تو وہی عقل ہو سکی ہے جو خالق عالم اور خالق عالم کی نسبت جامعیت کا علم رکھتی ہو۔ مجرد عقل خود اپنی حقیقت کا علم نہیں رکھتی اور نہ خالق اشیاء کا بذاتہ علم رکھتی ہے۔ ہاں عقل کو جب خالق عقل کی طرف علم ملتا ہے تو عقل سلیم کہلاتی ہے اور وہ غور و فکر کر کے مادی و غیر مادی اشیاء کا صحیح استعمال کرنے مستفید ہو سکتی ہے اور ان کی مضرتوں اپنے کو محفوظ کر سکتی ہے۔ ایسی عقل سلیم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو ہی ملتی ہے جن کو بزبان مذہب پیغمبر (Prophet) کہتے ہیں۔ ان کی عقل و راک میں ایسے ایسے خیالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں جس سے وہ خود بخبر ہو کر دوسرے بندوں کو بھی باخبر کرتے ہیں اور ان کی صحیح رہبری Guide کرتے ہیں اس قسم کے خیال کو مذہب اسلام کی اصطلاح میں وحی (نازل شدہ علم حق) کہتے ہیں۔

اس نازل شدہ علم کا پر تو عقل سلیم کہلاتی ہے اور عقل سلیم ہی امن و سلامتی کے راستہ پر چلنے کی رہبری کر سکی ہے جس سے انسانی زندگی کو مصائب اور آلام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزادی یعنی نجات حاصل ہو سکی ہے۔ نجات کا اردو مدار تو حیدر الہی کے عقیدہ پر ہے۔ بلا عقیدہ تو حید کوئی عمل خدا کے پاس مقبول نہیں ہو سکتا۔ پس علم حق کی روشنی میں عقل سلیم انسانیت کی حقیقی رہبر ہو سکی ہے اور یہ عقل سلیم اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اس کی طرف سے خاص خاص انفرادی

کو منتخب کر کے ان کو عطا کی جاتی ہے۔ چنانچہ یہی حضرات تمام بنی نوع انسان کے افراد کے عقول کو عقل سلیم بنا کر سیدھا راستہ کھاتے ہیں جس کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں چنانچہ آمِ عالیہ السلام سب سے پہلے نبی ہوئے۔ ان کی نسبت اسماءِ کلی کے علم کا تذکرہ مذہبِ اسلام کی مذہبی کتاب قرآن میں آیا ہے اور اسی وجہ سے ان کو ملائکہ جیسے معصوم اور پاک مخلوق پر فوقیت اور شرافت عطا کی گئی چنانچہ آمِ عالیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاءِ عالیہ السلام آتے رہے اور اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کو سیدھا راستہ بتانے کا کام کرتے رہے اور سب سے آخر میں ایسا برگزیدہ نبی آیا جس پر نبوت کا سلسلہ ختم کر یا جاتا ہے اور ینِ اسلام کو کامل و مکمل ین کی حیثیت سے پیش کر یا گیا ہے اب ینِ اسلام کے ماننے والے لوگوں میں جس برگزیدہ بندوں کو منتخب کر کے موجودہ دور میں بھیجا جاتا ہے ان کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔

یہ لوگ جو عقل سلیم رکھتے ہیں اور دوسروں کو عقل سلیم پیدا کرنے کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ اس مسلک کے لوگوں کو صوفی بھی کہتے ہیں اور ان کے مسلک یا فن کو تصوف کہتے ہیں اور بزبان قرآن اسی کو حکمت سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ وَمَنْ يُوْتَى الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ كَثِيْرًا انبیاءِ عالیہ السلام اپنے ساتھ اللہ کی اجمالی بات یعنی کلمہ طیبہ لائے جس کی تفصیل اور توضیح میں قرآن کے تین پارے نازل ہوئے ہیں اب اس عقل سلیم کی تعلیم و تربیت انھیں جیسے لوگوں سے ین (ہرم) کے معیار پر پوری اترنے والی کتاب کے ذریعہ تربیت حاصل کر کے علم صحیح کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ اب نبوت کے علوم کو آسمانی کتاب کی روشنی میں حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر مذہب کی نازل شدہ آسمانی کتب اپنی اصلیت کے ساتھ باقی نہیں رہیں۔ صرف قرآن ہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے کہ جس میں الفاظ تو الفاظ رہے، کسی زیرِ برپیش کی تحریف و تبدل کے بغیر حافظوں کے ذہن میں اور قرآن کی جلدوں میں کتابی شکل میں محفوظ ہیں اور بالکل اپنی اصل عبارت کے ساتھ باقی و موجود ہے جس میں رنگ و نسل، خاندانی شرافت و پنچایت کو معیارِ انسانیت نہیں بتایا گیا ہے بلکہ اصل معیارِ ایمان و تقویٰ بتا یا گیا ہے۔ جس

سے عقل انسانی مزین ہو کر عقل سلیم کے مقام پر فائز ہوتی ہے۔ انسانیت کے لئے اعلیٰ جوہر انسانیت یہی عقل سلیم ثابت ہو سکی ہے جس کی بناء پر انسان فرشتوں پر شرافت اور بزرگی رکھتا ہے اس مجلس میں کاؤس جی نامی ایک پارسی عالم بھی موجود۔ انہوں نے اعتراض فرمایا کہ جس طرح مقرر صاحب نے عقل سلیم کے عنوان اور اس کے معیار پر روشنی ڈالی۔ اب تک اس نوعیت کی بنیا پر تقریر سننے میں نہ آئی۔ بہر حال حضرت قبلہ کا اسلوب بیان کچھ ایسا لچسپ تھا کہ حاضرین جلسہ ہمہ تن گوش ہو کر از اول تا آخر تقریر سنتے رہے اور اس طرح ان کے قلوب پر اسلام اور اس کے علوم نیز اسلامی تصوف کی اہمیت واضح اور لائشیں ہوئی۔

حرف آخر:

ان تمام واقعات کی روشنی میں قارئین کرام بطور خو حضرت قبلہ پیر و مرشد کنز العرفان ابو الایقان غوث علی صاحب المعروف بہ غوثی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقام عالی کار اور اوصاف حمیدہ کا بخوبی اندازہ قائم فرما سکتے ہیں۔ فقیر خاکپائے آنحضرت کی بھلا کیا مجال کہ ایسی باکمال اور با عظمت ہستی کے اوصاف حمیدہ و اخلاص پسندیدہ کو کما حقہ سپر قلم کر سکے بقول کہ عطر آنت کہ خو بیوید نہ کہ عطار گوید ”البتہ فقیر کے خیال اور جذبہ عقیدت کی روشنی میں فی زمانہ جس کو قیظ الرجال کے نام سے موصوم کرنا زیا و موزوں ہو گا نہ اس انداز کا اور نہ اس اکا کوئی و سر شخص ملا اور نہ ہی نظر ہی آسکا۔ جو عرفان کا خزینہ اور حقائق و معارف کا فینہ اپنی ذات میں مخفی رکھتا ہو اور ان جوہروں کو بے غیل و غش یا علانیہ بلا تخصیص عام و خاص عرفان و حقائق کے موتی لٹانے سے رلیغ نہ کرتا ہے اور جس کا فیضان ہر عالم و جاہل کو یکساں فیضیاب کرتا ہو۔ کون کیسا ہے؟ کس کو کیا ملا اس سے قطع نظر کر کے خو اپنے کو فقیر و حقیر اور ظلم و وجہول پائے ہوئے جب احساس کی نظر جائزہ لیتا ہے تو اس نعمت عظمیٰ کو مالا مال پاتا ہے۔ تہمتی اور تنگ امانی سے صرف نظر کر کے بجائے گلہ یا شکوہ کے تحدیث نعمت کے کلمات زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

الحمد لله ثم الحمد لله رب العالمین

حضرت قبلہ کی نظر کیسیا اثر نے ذرہ کو ضیاء بخشی اور قطرہ کو ریابنا یا اب تو نظر میں کوئی
وسرا نہیں ساتا ہے۔ بقول حضرت مرشدی

کوئی نظر میں اب نہیں بھاتا اپنا نقشہ جما گیا کوئی
حضرت شاہ خاموش صاحب کا یہ شعر بھی اپنا کیف ہر آن طاری رکھتا ہے

فیض بخشی کی ہے کیاں شان تیرے کوچہ میں

مور بن جائے سلیمان تیرے کوچہ میں

حافظ علیہ الرحمۃ کا یہ شعر قالا نہیں بلکہ حالاً کیف آور ثابت ہوتا ہے

حافظ جناب پیر مغاں جائے ولت است

من ترک خاک بوی این رنمی کنم

حضرت مرشدی و مولائی کی آخری زمانہ کی غزل کا مقطع بھی بالکل صاق و مصدق پاتا

ہے۔

کون ہے غوثی سایوں ہوں گے بہت ہاں میاں اک مر کامل ہے یہی

حاصل کلام آخر میں اس بات کو سراہیہ ناز تصور کرتا ہوں

اے خاک رگھے تو جہیں نیاز ما قربان یک نگاہ تو عمر راز ما

شراب عشق و عرفان کی مستی ہر آن ایک کیف پیدا کرتی ہے اور مولانا روم کا یہ شعر

شاہا باش اے عشق سوائے ما ولے طیب جملہ علت بائے ما

شہو یافت کا اصل سرچشمہ اور منبع پیش نظر ہے اس کا رہے اور اپنا سر ہے

فقط والسلام مع الکرام

راقم الحروف

الفقیر الی اللہ سید و اجد علی شاہ چشتی قاری

(۱) چاند بی مرحومہ مریدی اس نے قیام مدینہ طیبہ میں روضہ اطہر کے قریب حضرت قبلہ کو عالم واقعہ میں یکھا۔

(۲) علی بخش قوال جب بغداد کے سفر کر جا رہے تو حضرت قبلہ سے اپنے جانے کے ارے کو ظاہر فرمایا۔ حضرت قبلہ نے سلام عرض کرنے کے لئے ان سے فرمائش کی جب وہ وہاں پہنچے تو روضہ اقدس کے پاس حضرت قبلہ کو یکھا۔

(۳) پولس ایکشن کے واقعہ سے قبل عید الفطر کے موقع پر مسجد بیگم بازار میں عید کے خطبہ سے قبل حضور نے وران تقریر فرمایا تھا کہ اب تلوار قبضہ سے باہر کھینچ کر آگئی ہے سب لوگ رجوع الی اللہ ہو جاؤ تا کہ محفوظ رہو۔

(۴) پولس ایکشن سے قبل حضور انور اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے گندلا پانی زور سے جاری ہوا جس میں حضور اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ بآسانی پار ہو گئے۔

(۵) ۲۳ رمضان المبارک کو پولس ایکشن ۱۹۴۸ء سے قبل حضور نے خواب یکھا کہ گھوڑوں کی وضع کے ہوائی جہاز ہیں جنہوں نے شیر پر حملہ کیا ہے۔ گھوڑے پر جو سوار ہیں ان کے سروں پر لال پٹریاں ہیں ان میں سے چند نے حضور کو سلام بھی کیا اس سے یہ تعبیر ملی کہ حیدرآباد شہر تو محفوظ رہ گیا لیکن اطراف و اکناف کے اضلاع و مقامات پولس ایکشن سے متاثر ہوں گے۔

ختم شد

تذکرہ بزرگان ثلاثہ (سلسلہ غوثیہ کمالیہ)

قطب الاقطاب حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

☆ حضرت سید سلطان محمد اللہ شاہ حسینیؒ

☆ حضرت سید کمال اللہ المعروف سیدی مچھلی والے شاہؒ

حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ مشہور سنی حاتم طائی کے فرزند صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ الحاتمی الطائی اندلیسی کو اولاد سے ہیں اور حضرت سیدنا غوث الاعظم پیران پیر دہلیؒ کی اولاد معنوی کہلاتے ہیں اور حضرت غوث اعظمؒ نے آپ کو گود میں لے کر آپ کے شاندار مستقبل کی بشارت دی اور دعاؤں سے نوازا۔ چنانچہ آپ توحید و تصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نے قرآن کی تفسیر، تفسیر کبیر لکھی جس کی ۹۰۰ جلدیں ہیں جو صرف پندرہ پاروں کی حد تک ہے اور فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، مواقع النجوم، رسالہ وجودیہ، کبریت احمر وغیرہ آپ کی کتابیں بہت مشہور ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۲۴۵ء مطابق ۲۸ ربیع الثانی ۶۳۸ھ ہے۔ آپ کا مزار ملک شام کے صدر مقام دمشق کے محلہ ”صالحیہ“ جبل قاسیوں پر واقع ہے جس کو سلجوقی بادشاہ نے بنوایا۔ الحاج حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب جنھیں پہلے اپنے والد الحاج حضرت سیدی کریم اللہ شاہؒ (متوفی ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء) سے بیعت و خلافت و جانشینی حاصل تھی۔ ۲۳-۲۴ سال کی عمر مبارک میں آپ کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ سے روحانی فیض بذریعہ خواب حاصل ہوا۔ اس طرح (آج سے ۸۴ سال پہلے) عرس شیخ اکبرؒ کی بنیاد پڑی اور آپ ہندوستان کی سرزمین پر شیخ اکبرؒ کی تعلیمات وحدۃ الوجود کے امام اور پیشوا بن گئے۔ ہر سال اپنے والد حضرت سیدی کریم اللہ شاہ صاحب قبلہ کے عرس کے ساتھ حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ کا عرس بھی کیا کرتے اور اس وقت آپ کے ابتداء چار خلفاء بھی تھے اس کے بعد پھر ایک غیبی ہدایت پر دکن کے مشہور صوفی بزرگ شمس العارفین حضرت سید کمال اللہ شاہ المعروف سیدنا مچھلی والے شاہ علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء) کے دست حق پرست پر شرف بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے پھر حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد بہ منشاء حضرت مچھلی والے شاہؒ حضرت غوثی شاہؒ

صاحبؒ ہی آپ کے سجادہ نشین ہوئے اور تادم حیات حضرت مچھلی والے شاہ صاحب قبلہؒ کا عرس اور حضرت سید سلطان محمود اللہ شاہ حسینی صاحب قبلہؒ (متوفی ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۴ء) کا عرس اور حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ کا عرس بھی ساتھ ملا کر کیا کرتے تھے۔ حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہؒ کے ۱۹۵۴ء میں پردہ فرمانے کے بعد ان کے فرزند خلیفہ وجانشین الحاج حضرت مولانا صحو شاہ صاحب قبلہؒ اپنی نگرانی میں ان تین متذکرہ بزرگوں کا عرس ہر سال تادم حیات ۱۹۷۹ء تک کرتے رہے پھر حضرت صحو شاہ صاحب قبلہؒ کے (موجودہ قائم مقام) فرزند خلیفہ وجانشین الحاج مولانا غوثی شاہ ان تین متذکرہ بزرگوں کا عرس مقرر کردہ تاریخ کے مطابق پابندی کے ساتھ آج مسلسل ۲۲ سال سے اپنی نگرانی میں کرتے آرہے ہیں اور اس عرس کے علاوہ ہر سال ۴ شوال کو حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہؒ کا عرس اور ہر سال ۱۸ جمادی الثانی کو اپنے والد حضرت پیر صحو شاہ علیہ الرحمہ کا عرس حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نام کی شرکت کے ساتھ مناتے آرہے ہیں۔ ☆ حضرت سیدنا سلطان محمود اللہ شاہ صاحب قبلہؒ کا مزار واقع تکیہ منا میاں قبرستان، عقب دو خانہ عثمانیہ مجمع خلائق ہے جہاں مولانا غوثی شاہ صاحب نے ایک صاحب خیر کے حسن تعاون سے اب ایک خوبصورت سنگ مرمر کی مزار کے ساتھ اس کے اطراف میں خوبصورت جالی بھی لگوا دی ہے۔ ☆ حضرت سیدی مچھلی والے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار آپ کی بنائی ہوئی خانقاہ سرائے الہی، الہی چمن کاچی گوڑہ کے قبرستان میں زیارت گاہ و خلائق ہے جہاں اب مولانا غوثی شاہ نے اپنے ذاتی صرفہ سے گنبد کی تعمیر کی ہے۔ ☆ حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہؒ کا مزار آپ کے والد کی مسجد، مسجد کریم اللہ شاہ 348-6-15 بیگم بازار میں واقع ہے۔ جہاں الحاج حضرت سیدی کریم اللہ شاہؒ اور الحاج حضرت مولانا صحو شاہ صاحب قبلہؒ بھی آرام فرما ہیں۔ ان تمام متذکرہ درگاہوں کے از روئے قانون و از روئے شریعت مولانا غوثی شاہ ہی سجادہ نشین ہیں جن کے ذریعہ نہ صرف شہر حیدرآباد بلکہ سارا ہندوستان علم تو حید و تصوف کی فیض رسانی سے مالا مال ہو رہا ہے اور اہل سنت الجماعت کے عقائد کے پھیلاؤ کا صحیح معنوں میں۔ اعتدال پسند انداز میں بڑی خوبی و بیباکی سے کام انجام دیا جا رہا ہے۔